Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

یعنی

اردو رسالہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان سے ہر انگریزی ماہ کی پانچ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

نمبر ۱ — ۵ جنوری ۱۹۳۳ء — ۷ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ — جلد ۳۲

ایڈیٹر محمد ظہور الدین اکمل

فہرست مضامین

اسلامی عبادات کی حکمت	۱ / ۱۶	مولوی عبدالوہاب صاحب عمر فاضل "ابن عمر"
عالمگیر زبان	۱۷ / ۲۲	
کیا انجیل مستقل شریعت کی کتاب ہے	۲۳ / ۳۲	ڈاکٹر محمد صدیق صاحب سنوری برہما
صیام رمضان واحکامھا	۳۳ / ۳۸	مولانا عبدالقادر صاحب فاضل (جامعہ)
کیا ران ستر میں داخل ہے	۳۹ / ۴۰	ماخوذ

چندہ سالانہ
اندرون ہند سے تین روپے

مصدقہ طلباء اور غیر احمدیوں سے دو روپیہ آٹھ آنے

چندہ سالانہ
بیرون ہند سے تین روپے آٹھ آنے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

قابل توجہ احمدی احباب

رسالہ ریویو کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد

"چونکہ ہماری جماعت کو معلوم ہوگا کہ اصل غرض خدا تعالیٰ کی میرے بھیجنے سے یہی ہے جو غلطیاں اور گمراہیاں عیسائی مذہب نے پھیلائیں انکو دُور کرکے دنیا کے عام لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کیا جاوے۔ اور اس غرض مذکورہ بالا کو جس کو دوسرے لفظوں میں احادیث صحیحہ میں کسر صلیب کے نام سے یاد کیا گیا۔ پورا کیا جائے۔ اس لئے اور انہیں اغراض کے پورا کرنیکے لئے رسالہ (ریویو آف ریلیجنز) جاری کیا گیا ہے۔ لیکن اب تک اس رسالہ کے شائع کرنیکے سرمایہ کا انتظام کافی نہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ رسالہ کم توجہی اہل جماعت سے بند ہوگیا تو یہ واقعہ میں اس سلسلہ کیلئے ایک ماتم ہوگا۔ اسلئے میں پورے زور کے ساتھ اپنی جماعت کے جوانمردوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ اس رسالہ کی اعانت کیلئے اس جماعت میں دس ہزار خریدار اُردو یا انگریزی کے پیدا ہو جائیں تو یہ رسالہ خاطر خواہ چل نکلیگا۔ اور میری دانست میں اگر بیعت کرنیوالے اپنی بیعت کی حقیقت پر قائم رہ کر اس بارہ میں کوشش کریں تو اس قدر تعداد کچھ بہت نہیں بلکہ جماعت موجودہ کی تعداد کے لحاظ سے یہ تعداد بہت کم ہے۔ سو اے جماعت کے سچے مخلصو! خدا تمھارے ساتھ ہو۔ تم اس کام کے لئے ہمت کرو۔ خدا تمھارے دلوں میں القا کرے کہ یہی وقت ہمت کا ہے۔"

ماہ فروری کا رسالہ وی پی ہوگا

تمام خریداران ریویو اُردو نوٹ کرلیں کہ ان کے نام ماہ فروری کا رسالہ ۵ رفروری کو وی پی ہوگا تاکہ سنہ ۱۹۳۳ء کی قیمت پیشگی یا بقایا وصول کیا جائے امید ہے ہمارے خوش معاملہ احباب یہ وی پی وصول فرمالینگے جزاھم اللہ احسن الجزاء

اگر اس سے پہلے چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوادیں تو بہت مہربانی ہوگی خرچ میں بھی کفایت رہیگی۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی عبادات کی حکمت

غیر مسلم مصنفین اور معترضین عام طور پر اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام روحانی امور پر زور دینے کی بجائے عبادات کی ظاہری صورت پر زیادہ زور دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بات تو دنیا کے تمام مذاہب میں پہلے ہی موجود تھی۔ ابتداء میں جبکہ دنیا نے ارتقاء کے منازل طے نہیں کیئے تھے اور انسانی ذہن ابھی ابتدائی حالت میں تھا اسوقت انسانی نظر صرف ظاہری افعال تک ہی محدود تھی اور وہ صرف مادی اشیاء ہی کو سمجھنے کی قابلیت رکھتا تھا۔ اس لئے خدا کو صرف ظاہری اعمال سے خوش کرنا چاہتا تھا یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں عبادات کی ظاہری اشکال پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں اسلام نے بھی عبادت کی ظاہری شکل کو بہت ضروری قرار دیا ہے ؀

اسلام کے چار رکن ہیں:-

(۱) نماز

(۲) روزہ

(۳) زکوٰۃ

(۴) حج

ان عبادات پر اسقدر زور دیا گیا ہے کہ کوئی شخص ان کے بغیر مسلمان نہیں رہ سکتا۔ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سے روحانیت کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کہ انسان مقررہ وقت پر نماز پڑھے کسی خاص موسم میں دن بھر بھوکا رہے۔ یا کسی خاص مقام پر مقررہ وقت پر جائے یا دن کے معیّن اوقات میں ایک خاص طریق سے نماز پڑھے۔ مختلف لوگ مختلف حالات میں ضرورت کے مطابق اس میں کوئی تغیر اور تبدّل نہیں کر سکتے۔ کہا جاتا ہے کہ تمام ممالک کے لوگ تمام زمانوں میں ایک ہی مقررہ قانون پر کیوں عمل کریں۔ اس کے علاوہ ان مخصوص عبادات میں کوئی روحانی بات بھی نہیں۔ ممکن ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کہ ابتدائے دنیا میں انسان کو اس کی ضرورت ہو۔ مگر اس روشنی کے زمانے میں ہم قطعاً اس کے محتاج نہیں۔ مثال کے طور پر دوسرے مذاہب کو دیکھ لو کہ انہوں نے آخر میں عبادات کی ظاہری اشکال کو بالکل مٹا دیا اور صرف اصل روح کی طرف توجہ رکھی ؛

ہندوؤں کو دیکھو ہم دیکھتے ہیں کہ ابتداء میں ظاہری اعمال اور رسومات پر زور دیا گیا۔ مگر بعد میں جوں جوں ارتقاء ہوتا گیا۔ ظاہری عبادات مٹا دی گئیں حتیٰ کہ بُدھ کے زمانہ میں یہ اعلان کر دیا گیا۔ کہ ظاہری عبادت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور صرف انسان کی روح اور اس کا اندرونہ پاک ہو جائے تو سمجھ لو کہ اُس مذہب کا مقصد پورا ہو گیا ؛

یہودیوں کو لو۔ یہ مذہب بھی ابتدا میں صرف ظاہری عبادات اور رسومات کا مجموعہ تھا۔ مگر جوں جوں یہ مذہب ترقی کرتا گیا ظاہری عبادات پر کم زور دیا گیا۔ بائیبل کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو انبیاءؑ آئے انہوں نے آہستہ آہستہ عبادات کی ظاہری اشکال کو کم کر دیا۔ اور صفائی روح پر زیادہ زور دینے لگے۔ حتیٰ کہ جناب مسیحؑ کے زمانہ میں یہ تعلیم دی گئی کہ ظاہری عبادت کوئی چیز نہیں۔ یہ محض ایک چھلکا ہے جس میں کوئی مغز نہیں۔ اور مذہب کا حقیقی مقصد دل کی صفائی ہے۔ نماز اور روزہ کا تعلق براہِ راست روح سے ہے۔ نہ کہ جسم سے۔ اور مذہب کا حقیقی مقصد بھی یہی ہے کہ قلب انسانی صفات الٰہیہ کا آئینہ بن جائے اور مخلوق کا اپنے خالق سے تعلق قائم ہو جائے ؛

تیسرا بڑا مذہب زرتشتیوں کا ہے۔ گو اب تو اس مذہب کے پیروؤں کی تعداد بہت کم ہے۔ مگر کسی زمانہ میں اس کے پیروؤں کی تعداد دنیا کے کسی بڑے مذہب سے کم نہ تھی۔ آج کل تو صرف چند پارسی اس کے پیروؤں میں شامل ہیں۔ کسی زمانہ میں اس فرقہ کی تعداد کروڑوں سے متجاوز تھی۔ اس مذہب نے بھی عبادت کی ظاہری شکل پر بہت زور دیا ہے۔ مگر بعد میں آہستہ آہستہ روح کی صفائی ہی پر زور دیا جانے لگا۔ اور عبادت کی ظاہری شکل بالکل مٹ گئی ؛

یہ سب کچھ ارتقاء کی وجہ سے ہُوا۔ اگر ہم اِن سب مذاہب کے تنزّل پر غور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بعض مذاہب نے عبادت کی ظاہر شکل پر اس قدر زور دیا کہ مذہب صرف عبادت کی ظاہری ہیئت ہی کا نام رہ گیا اور روح مٹ گئی۔ ہندو اور زرتشتی مذاہب کا تنزّل اس بات پر گواہ ہے۔ اور وسطی زمانہ میں عیسائیت کا تنزّل بھی اس بات پر شاہد ہے۔ ہندو مذہب کے ترقی اور تنزّل میں بھی ہم دو منزلیں پاتے ہیں (۱) ظاہری عبادات کا زمانہ۔ (ب) ظاہری عبادات کو ترک کرنے کا زمانہ ؛

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تاریخ الادیان کے اس مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں ظاہری عبادات پر بابت زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ ساتھ ظاہری عبادات بھی مٹتی گئیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے۔ کہ اسلام نے بھی ظاہری عبادات پر اسی لئے زور دیا ہے کہ جسوقت اسلام دنیا میں آیا اُس وقت عرب کچھ زیادہ مہذب نہ تھے اس لئے وہ اُن کے لئے موزون تھا۔ اور یہ کہ اسلام اس روشنی اور ترقی کے قابل نہیں۔ کیونکہ مذہب کا اصل مقصد یہ ہے کہ روح پاک ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو عبادات کی ظاہری شکل کو فضول سمجھتا ہے ؀

بعض مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ وضو۔ نماز۔ روزہ۔ حج صرف عربوں ہی کے لئے موزون تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں عرب بے حد بے قاعدہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وقت کی کوئی قدر نہ تھی۔ اس لئے پانچ نمازیں مقرر کی گئیں۔ تاکہ اُن میں باقاعدگی اور پابندیٔ وقت کی عادت پیدا ہو جائے۔ چونکہ وہ صاف رہنے کے عادی نہ تھے اور عرب میں پانی کی بھی کمی تھی۔ اس لئے وضوء کا حکم دیا گیا تاکہ حفظانِ صحت کے اصول پر بھی عمل ہوتا رہے۔ بیسویں صدی میں جبکہ مہذب لوگ باقاعدہ نہاتے ہیں اس مذہبی فریضے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور تعلیم یافتہ لوگ نہ صرف وقت کی قدر کرنا سیکھ گئے ہیں بلکہ اُن کے اوقات اس قدر مشغول ہوتے ہیں کہ پانچ وقت نماز کے لئے وقت نکالنا بے حد مشکل ہے ؀

جب اسلام دنیا میں آیا اُس وقت مشرقی بادشاہوں کا یہ طریق تھا کہ وہ اپنی رعیّت کو فرمانبرداری سکھلانے کے لئے اُسے اپنے سامنے جُھکنے کا حکم دیتے تھے۔ اور جُھکنا اطاعت اور فرمانبرداری کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو بھی حکم دیا گیا کہ وہ اس شہنشاہ کے سامنے جھکیں جو سب بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور چونکہ مشرقی طریقِ زندگی اور لباس نماز میں کوئی روک نہ تھا اس لئے سجدہ کرنا نماز کا ایک ضروری جزو بن گیا۔ موجودہ سوسائٹی میں ایسی ورزش کرنے میں بہت دقّتیں ہیں۔ آجکل کے بادشاہ بھی اپنی رعیّت کو اپنے سامنے جُھکنے کا حکم نہیں دیتے۔ اور ہمارا لباس بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ اگر نماز پڑھی جائے تو پتلون کی کریزیں ٹوٹ جائیں۔ اور اُس کی شکل بگڑ جائے۔ اور اچھی سوسائٹی میں پہننے کے ناقابل ہو جائے۔ اور چونکہ لوگ فرش کی بجائے کُرسیوں پر بیٹھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور نرم کُرسیوں پر بیٹھنے والے جسم سخت اور کھردری زمین پر بیٹھنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ اس لئے جسمانی طور پر بھی سجدہ کرنا آج کل کے شوقین حضرات کے لئے کوئی آسان کام نہیں ؀

اس طرح سال بھر میں ایک ماہ دن کے وقت بھوکا مرنا بیوی کے پاس نہ جانا کوئی زیادہ عقلمندی کا کام نہیں۔ اگر رمضان کو باقی رکھنا ایسا ہی ضروری ہے تو کھانے کے اوقات میں کمی کر دی جائے۔ اور ملکی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

خوراک کی اجازت دیدی جائے ۔ حج کی بجائے تعلیمی اور سیاسی کانفرنسوں میں شمولیت ضروری قرار دی جائے میرے دوست ایک ہندو نومسلم بیرسٹر اس بات پر اپنے ایک لیکچر میں بہت زور دے رہے تھے کہ قربانی پر جو روپیہ خرچ کیا جاتا ہے وہی روپیہ اگر اشاعت اسلام پر خرچ کیا جائے ۔ زکوٰۃ کی بجائے قومی اداروں اور یتیم خانوں کو چندہ دینا ضروری قرار دیا جائے ۔ ہزاروں مسلمان ہیں جو اس قسم کے خیالات رکھتے ہیں مگر اس کا اظہار ڈرتے ہوئے نہیں کرتے ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی ظاہری عبادات پر غیر مسلم ہی اعتراض نہیں کرتے بلکہ خود فہمیدہ اور تعلیم یافتہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اِن کو غیر ضروری اور لغو خیال کرتا ہے ۔ اور انہوں نے اِن پر عمل کرنا بھی ترک کر دیا ہے ۔ ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے ہمدردی رکھتا ہے ۔ اور عادتاً اور قومی جذبہ کے ماتحت غیر مذہب والوں کے سامنے اس کی معقولیت کے ۔ ۔ ۔ عذرات پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے ٭

یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ عبادات کی ظاہری شکل محض ایک نشان ہے ۔ اور ہمیں آزادی ہونی چاہیئے کہ ہم حالات کے مطابق اُس میں تغیر کریں ٭

اصل بات یہ ہے کہ نہ دشمنان اسلام نے نہ مسلمانوں نے اس مسئلہ کو سمجھا ہے اور نہ کبھی سنجیدگی سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی ہے ٭

یہی مسئلہ ارتقاء جس سے انہوں نے یہ نتائج نکالے ہیں خود اُن کی تردید کرتا ہے ۔ دنیا کا کوئی مذہب ایسا نہیں ۔ جس نے لوگوں کے اخلاق و اعمال کو سنوارا ہو ۔ اور انہیں روحانی ترقی کے اعلیٰ منازل پر پہنچایا ہو ۔ اور پھر وہ ظاہری عبادات سے تہی دست ہو ۔ مختلف منازل جن سے کوئی مذہب گذرتا ہے اور جس کو ہمارے معترضین نے بطور مثال پیش کیا ہے ۔ اس کے مطالعہ سے یہی پتہ چلتا ہے ۔ کہ انہوں نے مذہب کی ایک شاخ کو بالکل بھلا دیا ۔ اور دوسری شاخ پر غیر ضروری زور دیدیا ۔ جس جگہ بھی کسی مذہب میں تنزّل آیا ایسے آیا کہ اُس مذہب نے عبادت کی ظاہری شکل پر بہت زیادہ زور دیا ۔ اور اُن کا قائم رکھنا مذہب کا ضروری جزو قرار دیا ۔ مگر دوسری طرف مذہب کی اصل رُوح کو بھلا دیا اور دوسری طرف یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مذہب کی انتہائی ارتقائی منازل میں بھی عبادت کی ظاہری اشکال کے بغیر کام نہیں چل سکا ٭

اس کے علاوہ اسلام اور دوسرے مذاہب کے اصولوں میں بھی بہت سا فرق ہے ۔ بائیبل ۔ وید ۔ اور ژندوستا کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے شعبے کے متعلق بھی ایسے مکمل اور مفصّل اصول بتائے گئے ہیں کہ ایک مسلمان تعجب کرتا ہے کہ اِن مذاہب کے پیرو کس مصیبت کی زندگی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

بسر کرتے ہونگے۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ مندر کس طرح بنایا جائے اُس کے مختلف حصے میں کونسی لکڑی استعمال کی جائے اور اس کے کس حصے میں کونسا کپڑا بچھایا جائے۔ اس کے ممبر کو کس طرح سجایا جائے۔ میز کُرسی کیسی ہو پردے کیسے ہوں اور راہبوں کا لباس کس قسم کا ہو کہ انسان تعجّب کرتا ہے۔ پھر یہ بتلایا ہے کہ قربانی کس طرح کی جائے۔ ہندو مذہب نے ذات پات اور نجات کے متعلق ایسے ناقابل عمل اصول بتائے ہیں۔ کہ یہ یقین نہیں آتا کہ یہ خدا کی طرف سے ہیں۔ ژندوستہ میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ آگ ہمیشہ کس طرح رکھی جاسکتی ہے۔ اسلام میں تو بہت کم ظاہری عبادات رکھی ہیں۔ کہ اُن پر عمل کرنیوالا مسلمان دوسرے مذاہب میں یہ کثرت دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے +

یہ غلط ہے کہ اسلام ظاہری عبادات پر غیر ضروری زور دیتا ہے اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ظاہری عبادات کو ترک نہیں کیا۔ اسلام نے اُن کو ایسے ہی مواقع پر باقی رکھا ہے اور اُسی حد تک باقی رکھا ہے جس حد تک وہ صحت جسمانی اور روحانیت کے لئے بھی مفید ہوں۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے ظاہری افعال اس لئے رکھے ہیں۔ کہ یا تو وہ صحت کیلئے مفید ہیں یا اُن سے ساری دنیا کو عام فائدہ پُہنچتا ہے +

سب سے پہلے ہم نماز کو لیتے ہیں۔ نماز پڑھنے سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے پھر ایک خاص طریق سے نماز ادا کرنا فرض ہے۔ وضو کا یہ مطلب ہے۔ کہ اعضا کو دھو کر صاف کیا جائے۔ یعنی ناک مُنہ۔ چہرہ۔ ہاتھ۔ باہیں۔ سر اور پاؤں کو دھویا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض مسلمان ہمیشہ پاک صاف رہتے ہیں۔ شاید یہ کہا جائے کہ ممکن ہے کہ وضو کا فائدہ اُن لوگوں کو تو ہو جو صاف نہیں رہتے لیکن جو لوگ صاف رہتے ہیں ان کے لئے یقیناً ایک زائد چیز ہے۔ اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اسلام امیر وضیع چھوٹے اور بڑے سب کے لئے یکساں ہے۔ وضو کا صرف یہی مقصد نہیں کہ ظاہری صفائی ہو جائے۔ ان اعضاء کے دھونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ انسان انہیں اعضاء سے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے نماز پڑھنے سے پہلے اسکو سوچنا چاہیئے کہ اُس کا فرض تھا کہ دل کی تختی سے وہ گناہوں کو بھی اسی طرح دھوتا اور اپنے آپ کو اخلاقی طور پر ایسا صاف کر دیتا کہ جیسا اس نے وضو سے اپنے اعضا کو کیا ہے تمام گناہ مُنہ۔ ناک۔ آنکھ۔ پاؤں اور ہاتھوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان اعضا کے دھونے کا یہ مطلب ہے کہ انسان اِن کو روحانی طور پر بھی پاک رکھے۔ جس طرح وہ وضو سے ان کی ظاہری گندگی کو دُور کرتا ہے اسی طرح گناہ کی گندگی سے بھی انہیں آلودہ نہ ہونے دے۔ چنانچہ جو کلمات وضو کے وقت پڑھنے سکھلائے گئے ہیں ان سے بھی ظاہر ہے +

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انہیں اعضاء سے ہمارے خیالات کی رو میں چلتی ہیں۔ ایک فرانسیسی فلاسفر نے اس کے ثبوت میں ایک نہایت ہی عمدہ دلیل دے کر اس مسئلہ کو نہایت عام فہم طریق پر سمجھایا ہے۔ اُس نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جس کو پلانچٹ کہتے ہیں۔ یہ ایک سلیٹ ہے جس کے پہیئے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ایک پنسل لگی ہوئی ہے۔ یہ آلہ انسان کے خیالات کو نہایت آسان طریق سے لکھ سکتا ہے خیالات کو قلمبند کرنے کے لئے سلیٹ پر صرف انگلیوں کو ٹکا دینا کافی ہے۔ خیالات کی اس رَو کو روکنے کے لئے ضروری ہے کہ اعضاء کو ٹھنڈے پانی سے دھویا جائے۔ اور ٹھنڈا پانی اس کا بہترین علاج ہے انسان جس وقت اضطراب کی حالت میں ہو۔ اور دماغ مضطرب ہو۔ ٹھنڈے پانی سے وضو انسان کو اوّل حالت پر لے آتا ہے۔ اور سکون اور قرار پیدا کرتا ہے۔ جس کے بغیر عبادت میں یکسوئی نہیں ہو سکتی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے لئے ٹھنڈے پانی کو زیادہ پسند فرمایا +

یہ وضو کے چند فائدے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سی باتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وضو محض ایک ظاہری فعل ہی نہیں۔ پانچ وقت وضو جو مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے اس سے نہ صرف جسمانی صفائی مقصود ہے۔ بلکہ اس سے دماغ کو قرار اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ جس سے انسان اپنے روزانہ کاموں کو زیادہ آرام۔ اور بشاشت کے ساتھ کر سکتا ہے۔ اور عام صفائی کے اصولوں کو مدّنظر رکھتے ہوئے بھی وضو کوئی کم اہم چیز نہیں۔ اور میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں۔ کہ ایک پانچ وقت نماز پڑھنے والا مسلمان ایک انگریز سے کئی درجے زیادہ صاف ہے اور اگر وضو کو یورپین ممالک میں فرض قرار دیدیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ زیادہ صاف اور زیادہ عمدہ زندگی بسر کرنے لگیں +

اسی طرح نماز میں جو ظاہری حرکات رکھی گئی ہیں۔ اُن کی سرسری نظر میں گو کوئی روحانی اہمیت نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر ذرا غور سے دیکھا جائے۔ تو اس سے ایک روحانی تربیت منظور ہے۔ روح انسان کے جسم میں قید ہے اور جسم رُوح کے لئے بمنزلہ برتن کے ہے۔ گندہ برتن جلد یا بدیر اُس چیز کو خراب کر دیگا جو اس میں رکھی جائے۔ برتن کا اُس چیز پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ جو اس میں ڈالی جائے۔ اسی طرح ایک مکار انسان کا اُس کی رُوح پر بھی ویسا ہی اثر پڑیگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی ذہانت اُس کے دماغ کی حقیقت اور حجم پر منحصر ہے۔ اگر کسی طریق سے انسان کے دماغ کی ہیئت بدل سکے تو یقیناً اُس کا اثر اُس کے اعمال و افعال اور طاقتوں پر بھی پڑیگا۔ امریکہ میں ایک کالج کا پرنسپل بالکل ناکام ثابت ہوا۔ چونکہ وہ انتظامی کام کے بالکل ناقابل تھا۔ اُس میں قوّت ارادی جو انتظام کے لئے ضروری ہے۔ بالکل

Digitized by Khilafat Library Rabwah

مفقود تھی۔ وہ کسی کو سزا نہیں دے سکتا تھا۔ آخر اُسے نوٹس مل گیا۔ کہ جب تک وہ اپنی قوت ارادی کو مضبوط نہیں کریگا اُس وقت تک وہ اپنے عہدے پر بحال نہیں رہ سکتا۔ اُس نے علم النفس کے ماہرین سے مشورہ کیا۔ اُس کو کہا گیا کہ وہ اپنے مُنہ اور دانتوں کو خوب بند رکھا کرے۔ اور ماتھے پر کچھ تیوری چڑھائے رکھا کرے۔ پرنسپل بیان کرتا ہے کہ اس سختی سے جو تکلفاً پیدا کی گئی۔ اُس کی طبیعت میں سختی پیدا ہو گئی۔ اور آہستہ آہستہ رافت قلب اور عفو کا جذبہ کم ہو گیا۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ظاہر کا اثر کس قدر باطن پر پڑتا ہے ؂

بعض لوگ دوسرے کسی انسان کے سر کی بناوٹ اور اُس کے خط وخال سے ہی اُس کے خیالات اور کیریکٹر کو معلوم کر لیتے ہیں۔ ان علوم سے پتہ لگتا ہے کہ انسان کی ظاہری شکل کا اُس کے باطن کے ساتھ گہرا تعلّق ہے اور یہ دونو ایک دوسرے پر اثر کرتے ہیں۔ روحانی اور اخلاقی تغیّر اُس کے خط و خال پر بھی اثر کرتا ہے۔ انسان کے سر کے بعض حصّوں اور بعض خط وخال کو بناوٹی طور پر جب نشوونما دیگئی۔ تو اُس کا اثر اُس کے اخلاق اور کیریکٹر پر بھی پڑا۔ اس لئے اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ روح اور جسم کا گہرا تعلق ہے۔ اگر ظاہری آنسو بہائے جائیں اور مصنوعی طور پر رویا جائے تو دل بھی غمگین ہو جاتا ہے اور مصنوعی قہقہے لگانے سے رنج وغم کے بادل پھٹ جاتے ہیں۔ اس لئے ظاہری افعال صرف ظاہری افعال ہی نہیں بلکہ ہماری دماغی کیفیتوں کا پرتو ہیں۔ نماز میں جو حرکات رکھی گئی ہیں۔ وہ عاجزی خاکساری اور عجز پر دلالت کرتی ہیں۔ اسی طرح جماعت اتحاد کا نشان ہے۔ جس طرح ایک صف میں تمام مسلمان کھڑے ہوتے ہیں یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور اسی طرح ایک صف میں کھڑے ہونگے ؂

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ لوگ جنہوں نے مذہب کے ظاہری افعال کو بالکل ترک کر دیا اُنہوں نے بعد میں اُس کی رُوح کو بھی بالکل بُھلا دیا۔ اس لئے آزادی بجائے روحانی ترقی کے کئی لوگوں کے روحانی موت کا موجب ہو گئی۔ ایسے لوگ چھلکا اور مغز دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ ظاہری صفائی کو ترک کرتے کرتے باطنی صفائی کو بھی بُھول جاتے ہیں۔ خدا کا ڈر ان کے دلوں سے نکل جاتا ہے۔ عبادت کی ظاہری شکل مٹانے کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی دلی عبادت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ پانچ وقت نماز پڑھنے سے کم از کم دن میں پانچ دفعہ وہ ضرور اپنے خالق اور مالک کے سامنے جُھکتے ؂

ان قوانین سے جو ہمارے ظاہری افعال پر حکومت کرتے ہیں۔ ہم باطنی قوانین کا بھی پتہ چلا سکتے ہیں۔ یہ ایک اہم قانون ہے کہ نفیس اور نازک اشیاء اپنی حفاظت کے لئے سخت جسم کی محتاج ہوتی ہیں جس طرح

Digitized by Khilafat Library Rabwah

روح کو مادی جسم کی ضرورت ہے اسی طرح ہماری عبادت کی محتاج ہے۔ غلطی یہ ہے کہ اِن ظاہری افعال کو مقصد زندگی نہ بنایا جائے۔ اس کو اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ بلکہ اِن کو عبادت کا ایک ذریعہ سمجھا جائے نماز کا مقصد قرآن کریم نے یہ بیان کیا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔ کہ نماز انسان کو ظاہری گند اور باطنی ناپاکی سے پاک وصاف کرتی ہے۔ ایک دوسری جگہ قرآن کریم ان لوگوں کے اِس فعل کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ جو دکھاوے کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو نمازیں حضور قلب سے نہ ادا کی جائیں وہ بے سود ہیں۔ اور اصل نماز وہ ہے جس میں انسان یہ سمجھے کہ وہ خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے ؞

روزہ

اِس کے متعلق بھی یہی خیال کیا جاتا ہے کہ روزہ صرف بھوکا اور پیاسا رہنے کا نام ہے۔ حالانکہ اس سے رُوح کی صفائی مقصود ہے ؞

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ جسم اور رُوح کا آپس میں تعلق ہے۔ اور جسم رُوح کو ظاہری لذّات کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ محض دنیاوی لذّات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ وہ روحانی ترقی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جو لوگ دماغی اور رُوحانی امور کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ وہ جسم کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے۔ اور عموماً لباس اور خوراک کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ جب تک رُوح جسم کی اِن قیود سے آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک رُوحانی فضاء میں پرواز نہیں کر سکتی ؞

اگر ہم رہنمایانِ دین اور بانیانِ مذاہب کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا۔ کہ ان لوگوں نے اپنی زندگی کے بعض حصّوں میں ضرور روزے رکھے۔ اور اپنے پیرؤوں پر بھی روزے فرض قرار دیئے۔ صرف دو مذہبوں کے متعلّق کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے روزہ کا حکم نہیں دیا۔ پارسی مذہب اور کنفیوشس کا مذہب۔ پارسی مذہب کے متعلق جب تحقیقات کی گئی تو معلوم ہُوا کہ اس میں روزوں کا حکم دیا گیا تھا گو اس کے پیرؤوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ان کی عبادت میں روزوں کا حکم موجود ہے۔ پس کنفیوشس کے مذہب کے سوا دنیا کے تمام مذاہب نے خواہ نئے ہوں یا پُرانے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ ممکن ہے کہ زیادہ تحقیقات سے کیفیوسش کا مذہب بھی اِس حکم سے مستثنیٰ ثابت نہ ہو۔ اور پھر یہ ایک استثناء دنیا کے ہزاروں مذاہب کی متفقہ شہادت کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پس یہ ثابت ہو گیا کہ روزہ روحانی ارتقاء کے لئے ضروری ہے۔ آجکل کے عیسائی خصوصاً پروٹسٹنٹ عبادت کی ظاہری شکل کو ناپسند

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کرتے ہیں مگر حضرت مسیحؑ نے روزے رکھنے کا حکم دیا۔ خود انہوں نے اور ان کے پیروؤں نے روزے رکھے۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ روزہ صرف بھوکا اور پیاسا رہنے کا نام نہیں بلکہ اِس کی ایک روحانی اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے۔ کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم کہ تم کو روزے رکھنے کا حکم دیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو دیا گیا تھا تاکہ تمہارا دل پاک ہو جائے۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو تو پہلوؤں کو لیا ہے۔ ایک تو یہ کہ چونکہ روزے اللہ کے حکم کے ماتحت رکھے جائینگے اس لئے وہ اس کی رضاء کے موجب ہونگے۔ یہ چیز ان لوگوں کے مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے۔ جو روزے اس لئے نہیں رکھتے کہ ان سے کوئی براہِ راست روحانی فائدہ ہے بلکہ اس لئے کہ وہ خدا کی رضاء کے موجب ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ روزے صرف تم ہی پر فرض نہیں کیئے گئے۔ بلکہ ان لوگوں پر بھی کیئے گئے جو تم سے پہلے تھے۔ اور روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ قلب انسانی جو تمام افعال پر حکومت کرتا ہے آلائش سے پاک ہو جائے۔ یہ صرف ایک ظاہری چیز ہی نہیں۔ قرآن کہتا ہے۔ کہ روزے سے انسان میں ایک ایسی روحانی قوّت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ گناہ پر قابو حاصل کر لیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رُوح پر جسم کی گرفت کم ہو جاتی ہے اور رُوح اس قید سے آزاد ہو کر روحانی فضاء میں پرواز کرنا شروع کر دیتی ہے۔ ایک طرف تو روح جسم کی بندھنوں سے آزاد ہوتی ہے تاکہ روحانی فضاء میں پرواز کر سکے۔ دوسری طرف اس کا جسم سے اعلیٰ تعلق پیدا ہو جاتا ہے تاکہ وہ عبادت کو بہتر طریق سے سرانجام دے سکے۔ اس لئے سال کے ایک حصے میں روزے کا حکم ہے تاکہ رُوح کو جلاء حاصل ہو سکے۔ اور دوسرے حصے میں جسم کو۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہمیشہ روزے رکھنا منع کیا ہے کیونکہ اِس سے بعض ترقیاں مسدود ہو جائینگی۔ اسلام میں نہ تو زیادہ سختی کی گئی ہے اور نہ حد سے زیادہ نرمی۔ یہ نہ تو راہب پیدا کرنا چاہتا ہے نہ بالکل دنیا دار۔ اسلام کا یہ مقصد ہے کہ تمام طاقتیں ترقی کریں۔ یہ نہیں کہ ایک شاخ تو خوب پھلے پھُولے اور دوسری بالکل خشک ہو جائے۔

تقویٰ کے حصول کے علاوہ روزے کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں کہ اِس سے قوّت برداشت کا امتحان ہو جاتا ہے۔ غریب آدمی کے لئے جسے ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا اسکے لئے تو روزہ رکھنا آسان ہے مگر ایک امیر آدمی کے لئے جو دن میں چار دفعہ باقاعدہ معین اوقات پر کھانا کھاتا ہے اس کے لئے طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک گرمی کے موسم میں بالکل کھانے اور پانی کو ہاتھ نہ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ اور صرف ایک دن نہیں بلکہ سارا مہینہ۔ اب خیال کیجیئے کہ ایک امیر آدمی کے لئے جو ناز و نعم کی زندگی کا عادی ہے یہ کسقدر مشکل ہے۔ پس روزہ امراء

Digitized by Khilafat Library Rabwah

میں قوت برداشت پیدا کرتا ہے۔ اور یہ ان کو اس امر کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ ان کے فرائض غریبوں کے لئے کیا ہیں۔ خصوصاً قحط کے زمانہ میں غرباء کا کیا حال ہوگا اور امیر آدمی جس نے ساری عمر ایک وقت کے کھانے میں ناغہ نہیں کیا وہ ایک یتیم کے فاقے کی حقیقت کس طرح سمجھ سکتا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے وہ بالکل ناواقف ہے۔ اس لئے اس کے دل میں ان چیزوں کی وجہ سے رحم بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور اس چیز کا علم کہ اس کے کئی بھائی بند ایسے ہیں کہ بھوک اور پیاس کی وجہ سے مر رہے ہیں۔ اسکو کبھی اپنے فرض سے غافل نہیں کر سکتا۔ اور جس مصیبت کا اس نے خود تجربہ کر لیا وہ اس سے لاپروا نہیں ہو سکتا ؂

اسی طرح غور کرنے سے روزے کے بہت سے فوائد معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ روزے کا اصل مقصد تقویٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنے سے خدا خوش نہیں ہوتا جب تک انسان بدی اور گناہ سے بھی نہ بچے۔ ورنہ روزہ رکھنا محض بھوکا مرنا ہوگا۔ اِس سے پتہ لگتا ہے کہ روزے کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں ایسی روحانی قوت پیدا ہو جائے کہ گناہ اُس پر قابو نہ پا سکے۔ اور اُس کا دل ایسا پاک ہو جائے کہ صفات الٰہیہ اس میں منعکس ہو جائیں۔ وہ شخص جو محض ظاہر کو پورا کرتا ہے مگر روح کو بھلا دیتا ہے وہ کسی قسم کے اجر پانے کا مستحق نہیں؟

روزہ کے خلاف ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ انسان کے بھوکا و پیاسا رہنے سے خدا کو کیا فائدہ۔ یہ درست ہے۔ اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ خدا کو انسان کے روزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اِن سے خدا کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ خود انسان کو جسمانی۔ اخلاقی۔ اور روحانی فوائد پہنچتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص روزہ میں لغو باتوں اور فضول کاموں کو نہیں چھوڑتا اس کے روزے عبث ہیں۔ روزہ کی غرض تقویٰ کا حصول ہے تاکہ سفلی زندگی سے نجات حاصل ہو۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ اسکے متبعین آرام کی زندگی بسر کر کے جسمانی مشقت اُٹھانے کے ناقابل ہو جائیں روزہ انسان کو چست اور تکلیف کا عادی کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ طبی طور پر بھی روزہ بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ ہمارے جسم کی بناوٹ ایسی ہے کہ روزہ سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ روزہ کا قومی فائدہ بھی ہے۔ اگر کسی قوم کے غریب اور کمزور افراد مضبوط ہو جائیں تو قوم بھی مضبوط ہو جاتی ہے۔ جو قوم اپنے غرباء کی پروا نہیں کرتی وہ تباہ ہو جاتی ہے پس روزہ امراء کے دل میں غریبوں کے متعلق ایک رحم کا جذبہ پیدا کرتا ہے ؂

روزہ گناہ سے بچنے کا بھی ذریعہ ہے۔ کیونکہ گناہ دنیاوی لذات کی کشش سے پیدا ہوتا ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جب انسان ایک خاص طرز زندگی کا عادی ہو جائے۔ تو اسے ترک کرنا اس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ مگر جو شخص اس طرز زندگی کو اپنی مرضی کے ماتحت ترک کر سکے وہ اس کا غلام نہیں بن سکتا۔ جو شخص ایک مہینہ بھر ان لذات کو جن سے گناہ کی طرف کشش پیدا ہوتی ہے اپنی مرضی سے ترک کر سکتا ہے۔ اور خدا کی رضا کی خاطر وہ اپنے نفس کو مارتا ہے تو اس کے لئے گناہ پر قابو پالینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اسکے علاوہ جب انسان خدا کی رضا کی خاطر ان چیزوں کو جو اس کے لئے جائز ہیں انہیں اپنی مرضی سے ترک کر دیتا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ غیر کی چیز کی طرف نظر اٹھائے۔ جب وہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جاتا تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کی بیوی یا بہن پر نظر اٹھائے ×

زکوٰۃ

تیسرا حکم جو اسلام نے دیا ہے وہ زکوٰۃ کا ہے یعنی خیرات وغیرہ۔ میں یہ خیال نہیں کرتا کہ کوئی معقول انسان اس کی مخالفت کر سکتا ہے۔ زکوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنی آمدنیوں کے ایک حصے کو پبلک اور غرباء کی بہتری کے لئے خرچ کریں۔ ممکن ہے کہ یہ سوال کیا جائے کہ اس فنڈ میں ایک خاص مقررہ رقم کیوں ہر ایک کے ذمے لگائی گئی ہے۔ کہ وہ ضرور ڈھائی فیصدی سالانہ رقم ادا کیا کرے اور اس فنڈ کو خرچ کرنے کے مواقع کیوں واضح طور پر بتلا دیئے گئے ہیں کیوں نہ عام خیرات اور غرباء کی امداد کی تلقین کر دی گئی کیا ایک شرح مقرر کر دینے سے لوگوں میں اس شرح سے زیادہ نہ دینے کی تحریک نہیں ہوتی اور اس طرح اُن فوائد میں کمی نہیں آجاتی؟ جو زیادہ رقم سے حاصل ہو سکتے تھے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض لوگ اس صورت میں شرح سے زیادہ دیتے۔ مگر عوام اور اکثریت یقیناً کم یا کچھ نہ دیتی اس لئے تمام مسلمانوں پر جو صاحب ثروت ہیں ایک خاص شرح سے خاص مقاصد کے لئے زکوٰۃ مقرر کر دی گئی ہے۔ نیز زکوٰۃ فرض کر دینے کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان کسی اور قسم کی خیرات نہ کریں۔ زکوٰۃ تو صرف اس خیرات کے فنڈ کو منظم کرنے کے لئے اور انفرادی کوششوں کو قومی رنگ دینے کے لئے رکھی گئی ہے یہ اعتراض اسلامی تعلیمات سے ناواقفی کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اسلام نے دو قسم کی خیرات کا حکم دیا ہے (ا) زکوٰۃ جو فرض ہے (ب) صدقات جس کو مسلمانوں پر چھوڑ دیا ہے۔ جس کی مقدار ذاتی حیثیت اور مقدرت پر منحصر ہے۔ غرض ضروری کاموں کے لئے تو اسلام نے رقم مقرر کر دی۔ اور انفرادی سخاوت کے لئے صدقات کا حکم دیا۔ اور عام بہتری اور ملک کے مصائب کو کم کرنے کیلئے کوئی مسلمان جس قدر چاہے خرچ کرے اس پر کوئی پابندی نہیں اسلام چاہتا ہے۔ کہ مسلمان جس قدر

زیادہ صدقات کریں اُتنا ہی اچھا ہے۔ خصوصاً قحط اور مصیبت کے دنوں میں۔ حدیث میں آتا ہے۔ کہ صدقات خدا کے غضب کی آگ بجھا دیتے ہیں۔ زکوٰۃ کا بڑا مقصد یہی ہے کہ غریبوں اور بے نواؤں کی مدد کی جائے۔ اگر زکوٰۃ کے اغراض و مقاصد بیان کر دیئے جاتے اور تقسیم بیت المال کے منتظمین پر چھوڑ دی جاتی تو مختلف فرقہائے اسلام کے درمیان اس مصرف پر بے حد اختلاف پیدا ہو جاتا۔ پس ضروری تھا۔ کہ بیت المال کے منتظمین کو یہ واضح طور پر بتلا دیا جاتا کہ زکوٰۃ کا اصل مقصد غربار ضرورتمند اور مسافروں کی مدد ہے۔ اگر سیاسی اور تعلیمی مقاصد پر خرچ کرنے کی بھی اجازت ہوتی تو زکوٰۃ کا زیادہ حصہ اچھے طبقے کے لوگوں پر ہی خرچ ہو جاتا۔ اور اصل مقصد جس کے لئے یہ ادارہ قائم کیا گیا تھا فوت ہو جاتا۔ امراء تو اپنے فوائد کے لئے خود بہترین دوائر قائم کر سکتے ہیں اُن کے فنڈ جمع کرنے اور اُن کے مصرف کے لئے کسی قسم کی پابندی لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں غرباء کی جماعت ایسی ہے کہ اگر انہیں محض امراء کے رحم پر چھوڑ دیا جاتا تو ممکن ہے کہ وہ غریب ہر قسم کی ترقی سے محروم ہو جاتے ؁

شاید یہ اعتراض کیا جائے کہ زکوٰۃ سے غربار میں سُستی کی تلقین ہوتی ہے اور غربار زیادہ محنتی لوگوں کے بل بوتے پر سہارا لینے کے عادی ہو جائیں گے سو یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا طبقہ ہرگز زکوٰۃ کا مستحق نہیں اسلام ہٹے کٹے آوارہ گرد و ل نکموں کو زکوٰۃ کا مستحق نہیں ٹھیراتا۔ اس لئے حکم دیا گیا کہ زکوٰۃ بیت المال میں دی جائے تاکہ وہ بہترین طریق پر خرچ ہو۔ اگر افراد انفرادی طور پر زکوٰۃ کو بے محل خرچ کریں تو یہ اُن کا قصور ہے نہ کہ زکوٰۃ کا۔ پس جب تک مسلمان بیت المال میں یہ روپیہ جمع نہ کریں وہ اپنی ذمہ داری سے سُبکدوش نہیں ہو سکتے زکوٰۃ کے مصرف کے لئے اسلام نے دو قسم کے لوگوں کو مستحق ٹھیرایا ہے۔ اوّل تو وہ لوگ جو قدرتی طور پر کام کرنے کے ناقابل ہوں۔ دوسرے وہ لوگ جو بعض حادثات یا گردش روزگار کے ماتحت بیکار ہو گئے۔ مثلاً اندھے۔ لولے۔ لنگڑے یا وہ لوگ جو قرض کی وجہ سے قید خانوں میں ہیں۔ اور اس قسم کی جماعت ہر متمدن ملک میں پائی جاتی ہے۔ اٹلی اور انگلستان۔ دنیا کی دو پرانی اور نئی زبردست حکومتوں میں بھی ایسی قابل رحم جماعتیں پائی جاتی ہیں باوجودیکہ غربار کی جماعت کے لئے خیراتی فنڈ اور بیما کمپنیاں موجود ہیں پھر بھی انگلستان غربار کے سوال کو حل نہیں کر سکا۔ اسلام نے تیرہ ۱۳ سو سال قبل ہی ان مشکلات کو سمجھ لیا تھا۔ اور زکوٰۃ کا اصول مقرر کر کے غرباء کی امداد کے لئے بہترین سوشل نظام قائم کیا۔ آج جسقدر تشدد پسند انارکسٹ یورپ میں پیدا ہو رہے ہیں جو بادشاہوں کے تختوں کو ہلانے کا عزم بالجزم کر چکے ہیں اُن کا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

علاج صرف اسلامی احکام ہی ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اسلامی ممالک میں جماعتی منافرت کے مظاہرے دیکھنے میں نہیں آتے ... ہر ایک سوسائٹی افراد سے بنتی ہے اس کی ترقی افراد کی ترقی سے وابستہ ہوتی ہے۔ کوئی قوم اس وقت تک ترقی کی راہوں پر گامزن نہیں ہو سکتی جب تک اس کے اکثر افراد فارغ البال اور خوشحالی کی زندگی بسر نہ کریں۔ اور یہ صورتِ حالات تبھی پیدا ہو سکتی ہے کہ امداد باہمی کے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ ضروری ہے کہ اعلیٰ طبقے کے لوگ غرباء اور مصیبت زدوں کے مصائب میں ان کی امداد کریں۔ بیواؤں۔ یتیموں اور غریبوں کی پوری طرح نگہداشت ہو۔ گرے ہوؤں کو اٹھایا جائے۔ تاکہ وہ سوسائٹی کا مفید جزو بنیں اور قوم کو مضبوط کریں۔ مختصر طور پر یہ ہے مقصد زکوٰۃ کا۔ اگر مسلمان اسلامی احکام پر چلتے تو آج ان کا یہ حال نہ ہوتا ؎

خلاصہ یہ کہ اسلامی احکام جو حقیقتاً اسلام کے ستون ہیں ان میں ظاہری افعال اس حد تک رکھے گئے ہیں جس حد تک وہ ضروری تھے اگر جسمانی افعال کو اڑا دیا جاتا تو روحانی مقاصد پر بھی ان کا اثر پڑتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اسلام عبادات کے پہلو پر غیر ضروری زور دیتا ہے۔ اسلام نیز اسی قدر زور دیتا ہے جسقدر وہ انسان کے روحانی قویٰ کے لئے مفید ہیں ہزاروں دیگر رسومات اور عبادات اسلام سے پہلے موجود تھیں اور اب بھی غیر مذاہب میں موجود ہیں جن سے کوئی روحانی فوائد نہیں۔ میں نے ہندو فقراء کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ اوپر کھڑے کر کے سکھا لیتے ہیں۔ گھنٹوں سورج کی طرف دیکھتے رہتے ہیں۔ اور ایسی ہی دیگر لایعنی بے معنی عبادات کر کے اپنے جسم اور روح دونو کو نقصان پہنچاتے ہیں؎ اسلام روحانی امور پر غیر مذاہب کی نسبت بہت زیادہ زور دیتا ہے۔ یوروپ کو دیکھو کہ اس نے عبادات کی ظاہری صورت کو بالکل ترک کر دیا۔ اس نے یہ سمجھا کہ وہ مغز کی حفاظت بغیر چھلکے کے کر سکتا آج بدترین بداخلاقی کا گھر ہے۔ اور دنیا پر تاریک ترین نقطہ ہے ؎

نیکی اور بدی اچھائی اور برائی نسبتی الفاظ ہیں اگر کوئی چیز بالکل بے کار ہو اور اس میں تھوڑی سی خوبی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اچھی ہو جائیگی اور نہ تھوڑے سے نقص سے کوئی اچھی چیز بری قرار دی جا سکتی ہے۔ اس لئے اگر ایک چیز دوسری چیز سے بہتر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی چیز کو بالکل ترک کر دیا جائے۔ مثلاً مقاصد ذرائع سے بہتر ہیں۔ مگر کوئی شخص یہ نہیں خیال کرتا کہ ذرائع کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنی توجہ تمام تر مقاصد کی طرف لگا سکے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایک اعلیٰ اور نسبتاً کم اعلیٰ چیز میں ہم ایک کو تبھی ترک کرینگے اگر وہ ایک دوسرے کی مخالف ہوں۔ اگر وہ ایک دوسرے کی مخالف نہ ہوں تب دونوں ہی کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ چونکہ ظاہری عبادات روحانی ترقی کے لئے ضروری ہیں اسلئے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اسلام نے ان کا حکم دیا ہے اور ان کا رُوح سے ویسا ہی تعلق ہے جیسے برتن کا اس کے اندر کی چیز سے۔ کوئی بیوقوف نہیں کہ وہ برتن کو اس لئے توڑدے کہ محض اس کے اندر کی چیز کی ضرورت ہے

حج

اب اس کے بعد ہم حج کو لیتے ہیں۔ بظاہر یہ محض ایک پُرانی رسم کی یادگار نظر آتی ہے۔ اور ایام حج میں جو عبادات کیجاتی ہیں وہ بھی ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ ان کی بھی رُوحانی اہمیت نہیں۔ مگر یہ بات نہیں۔ حج میں دوسری عبادات اسلامی کی طرح ایک رُوحانی اہمیت ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ساری دنیا کیلئے صرف مکّہ ہی کو کیوں صدر مقام بنایا گیا کیوں نہ ہر ملک کے لئے حجاج کے جمع ہونیکے واسطے ایک علیحدہ مقام تجویز کردیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ملک اپنے لئے مقام حج تجویز کرسکتا تھا۔ مگر یہ طریق اختیار کرنے سے مسلمان کئی فوائد سے محروم ہوجاتے جو ساری دنیا کا ایک ہی مرکز بنانے سے حاصل ہوسکتے ہیں۔ فرض کیجیئے کہ ہر ملک کے لئے ایک علیحدہ سنٹر مقرر کیا جاتا۔ ہندوستان کے لئے دہلی۔ انگلستان کے لئے لنڈن۔ چین کیلئے پیکن وغیرہ۔ تو اس عالمگیر اخوتِ انسانی اور صلح اور امن کس طرح پیدا ہوسکتا۔ وہ کونسی طاقت ہے کہ جو امن اور برداشت پیدا کرسکتی اور یہ تمام مقامات غیر مسلموں کے حملوں سے محفوظ رہ سکتے۔ مکّہ وہ مقام ہے جس کے ساتھ تمام مسلمانوں کے دل بندھے ہوئے ہیں۔ خواہ وہ کسی ملک یا کسی قوم یا کسی فرقہ کے ہوں۔ اور یہی ایک چیز ہے جو مکّے کو غیر ملکی مداخلت سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ کسی ملک کا خاص مقام حج یہ خصوصیات اپنے اندر رکھ سکتا تھا اور ایک ملک کے مسلمان دوسرے ممالک کے مسلمانوں سے کس طرح تعلقات اخوت و محبت پیدا کرسکتے تھے۔ اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کس طرح ہوسکتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس طرح کوئی بھی مقدس مقام غیر مذاہب کی مداخلت سے محفوظ نہ رہتا نیز مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کیلئے اس امر کی ضرورت تھی کہ ساری اسلامی دنیا کے لئے ایک ہی مقام میں حج مقرر کیا جاتا خصوصاً آجکل کے حالات نے تو اس کی اہمیت کو اور بھی واضح کردیا ہے۔ اور اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ دشمنان اسلام کبھی مقامی مقامات مقدسہ کی اتنی عزت کرنے پر مجبور نہ ہوتے جس قدر مکّہ کی کرتے ہیں۔ عرب سے باہر کوئی بھی جگہ نہیں جو تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے نقطہ محبت و عقیدت بن سکے۔ خود ہندوستان میں سرسید احمد کے پیرو سب سے زیادہ اہم مقام علیگڈھ کو سمجھتے ہیں اور پرانے خیال کے مسلمان علیگڈھ کو نیچریت اور دہریت کی درگاہ خیال کرتے ہیں۔ اگر ایک فرقہ اجمیر کو مقدس مقام خیال کرتا ہے اور اسے بہشت کا دروازہ سمجھتا ہے تو وہاں دوسرا فرقہ کسی مزار پر جانا موجب گناہ خیال کرتا ہے غرض اگر ایک مقام کسی ایک فرقے کے لئے مقدس ہے تو وہی مقام دوسرے کیلئے موجب

Digitized by Khilafat Library Rabwah

نفرت۔ مگر مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں جو مکے کو دنیائے اسلام کا مرکز نہ مانتے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقے جن کیلئے نماز میں بھی اکٹھا ہونا مشکل ہے۔ اور جن کے درمیان کسی دوسرے مقام پر جھگڑا فساد خونریزی اور دشمنی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ جب وہ سب مکہ کو حج کیلئے لبیک اللّٰھم لبیک کہتے ہوئے جاتے ہیں تو اتحاد کا یہ منظر حیرانی پیدا کئے بغیر نہیں رہتا اور یہ نظارہ اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ مکہ ہی تمام مسلمانوں کا مرکز مقرر کیا جاسکتا تھا آج اور کوئی چیز نہیں جس پر ساری اسلامی دنیا متحد ہو سکے۔ ہمارے خیالات میں۔ ہمارے اصولوں میں ہمارے عقاید میں سیاسیات میں اور تعلیمی طریقوں میں کوئی یگانگت نہیں۔ چار عبادات اسلامی میں سے زکوٰۃ اور روزہ ایسی عبادتیں ہیں۔ جو انفرادی طور پر ادا کیجاتی ہیں۔ صرف حج ہی ایک ایسی چیز ہے جسمیں مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو سکتا ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ تمام مسلمان اقرار اسلام یعنی کلمہ پر متحد ہیں مگر کلمے کا بھی کوئی مادی وجود نہیں جو ہمیں متحد کر سکے۔ کعبہ اینٹوں اور پتھروں سے بنا ہے۔ جسے دیکھا چھوا۔ اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا ایک مقام پر ایسے وقت پر جمع ہو جانا جبکہ منافرت اور دشمنی کے جذبات انمیں نہیں ہوتے۔ انمیں محبت اور پیار پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اور اس سے کئی مصائب اور مشکلات جو دشمنان اسلام نے خفیہ طور پر مسلمانوں کیلئے پیدا کی تھیں دور ہو گئیں۔ اگر اسلام کا یہ مرکز مقرر نہ کیا جاتا تو مسلمانوں کا انحطاط موجودہ وقت سے بہت زیادہ اور دیرپا ہوتا ؞

اگر مختلف ممالک کے مسلمان مقامی طور پر اپنے جمع ہونیکے مرکز بنا لیتے اور کم و بیش انکی حفاظت کا بھی سامان ہو جاتا اور صرف اس ملک کے مسلمانوں میں اتحاد کی بھی کوئی صورت پیدا ہو جاتی تب بھی عالمگیر اتحاد جو صرف تمام مسلمانوں کے جمع ہونے سے پیدا ہو گیا ہے نہ ہو سکتا۔ تمام مسلمان خواہ وہ کسی قوم کے ہوں یا کسی خیال کے کسی ملک کے کسی رنگ کے غرض سب لوگ جو اپنے آپکو مسلمان کہتے ہیں۔ اس طرح ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو سکتے ؞

غرض مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ ساری اسلامی دنیا کا ایک ہی مرکز ہونا چاہیئے تھا۔ مرکزیت کے لئے مکے سے بڑھکر اور کونسا مقام موزوں ہو سکتا تھا۔ کعبہ وہ مقام ہے جو دنیا میں سب سے پہلے عبادت کیلئے بنایا گیا۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض تاریخی واقعات بعض مقامات سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ انکو مقدس اور پاکیزہ بنا دیتے ہیں کعبہ بھی ایسے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ اور جب سے یہ بنا ہے کئی مقدس لوگ اور انبیاء اس سے متعلق رہے ہیں تمام نبیوں کے باپ اور خدا کے پیارے حضرت ابراہیم علیہم السلام نے دعا کی تھی کہ اے میرے مولیٰ تو اس مقام کو ہمیشہ ہمیش کیلئے برکت دینا۔ اور خود ہمارے پاک نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکے قریب پیدا ہوئے تقدس اور برکات کے لحاظ سے کوئی دوسری جگہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ غرض تمام دنیا کے مسلمانوں کی معاشرتی سیاسی اور روحانی زندگی کی تنظیم کے لئے ایک مرکز کی ضرورت تھی۔ اور دوسرا کوئی مقام مکے سے زیادہ بہتر تجویز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ غرض مکے کو اسلام کا مرکز مقرر کرنا اور حج تمام مسلمانوں پر

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ایک خاص موسم میں فرض کر دینا بیفائدہ رسومات نہیں بلکہ ان سے بہت سے روحانی فوائد مقصود ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ بقاء اسلام میں سب سے زیادہ مدد اس چیز نے کی ہے ٭

اسکے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مکے میں آنے سے اسقدر فوائد حاصل ہوتے ہیں تو صفا اور مروہ اور دوسرے مقامات پر جانا کیوں فرض کیا گیا۔ اسکا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان مقامات کے ساتھ تاریخی روایات وابستہ ہیں۔ حج میں جو احکام دیئے گئے ہیں انکا تعلق عبادات سے ہے۔ اور اسلام کسی جگہ مسلمانوں کے اجتماع کو بغیر عبادت کے پسند نہیں کرتا۔ اور یہ مقامات مشعر حرم۔ منیٰ۔ بیت اللہ۔ صفا و مروہ۔ سب مقدس مقامات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسجگہ جمع ہو کر عبادت الٰہی کرتے ہیں۔ قربانی۔ سر منڈوانا۔ خاص قسم کا لباس پہننا سب روحانی تغیر کی علامات ہیں۔ حج کے وقت جو لباس پہنا جاتا ہے وہ بالکل کفنی سے مشابہ ہوتا ہے جسمیں مردہ جسم لپیٹا جاتا ہے۔ مرد اور عورتیں جو ساری دنیا سے جمع ہوتے ہیں مختلف زبانیں بولتے ہیں خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سر نیاز جھکاتے ہیں اور یہ نظارہ قیامت صغریٰ کا نمونہ ہوتا ہے۔ اگر دنیا پر قیامت کا نقشہ کھینچ سکتا ہے تو یہ حج ہی کا نقشہ ہے۔ جبکہ ہزارہا مرد اور عورت سفید چادروں میں ملبوس بغیر کسی امتیاز کے لبیک اللّٰھم لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہیں تو یہ نقشہ ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے ایسا لباس اور ایسا موقع خود بخود انسان کو روز محشر یاد کرا دیتا ہے۔ جبکہ وہ تمام کبر و نخوت سے دور ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور اپنا آخری حساب پیش کرنیکے لئے حاضر ہوتا ہے یہ چیز انسان کو آئندہ کیلئے مقدس زندگی بسر کرنیکی ترغیب دیتی ہے حج کے موقعہ پر سر منڈانا۔ پیدائش کی رسومات کو یاد دلاتا ہے۔ اور اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ یہ بھی اک نئی پیدائش ہے۔ حاجی گویا کہ ایک دوسری دفعہ پیدا ہوتا ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ آیندہ وفاداری اور عاجزی کے ساتھ زندگی بسر کریگا۔ جو قربانی وہاں کیجاتی ہے۔ وہ اسکو حضرت ابراہیمؑ کی قربانی یاد دلاتی ہے۔ غرض حج کے وقت جو قربانی کیجاتی ہے۔ وہ اس قربانی کا بدل ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ نے کی اور اس رحمت اور فضل کی یادگار ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ پر اللہ نے نازل کیا یہ خیال کرنا غلطی ہے کہ قربانی فی نفسہ خدا تعالیٰ کو خوش کر سکتی ہے قرآن کریم واضح طور پر اس خیال کی تردید کرتا ہے۔ لن ینال اللہ لحومها ولا دماءها ولکن یناله التقویٰ منکم۔ بظاہر کسی جانور کو ذبح کرنا ظلم نظر آتا ہے۔ اور ایک جانور کو مارنے سے خدا کی رضا کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر دراصل اسمیں ایک باریک اعلیٰ حکمت مخفی ہے۔ اور صرف ذبح کرنا۔ اور ذبح کے حقیقی مقصد کو نہ سمجھنا بے فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ تمھاری قربانیوں کا گوشت اور خون خدا کو نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس نیت کا ثواب ملتا ہے جس کے ماتحت وہ ذبح کیے جاتے ہیں۔ وہ مقصد کیا ہے یہ کہ جس طرح جانور جو انسان سے کمتر ہے خدا کی رضا کی خاطر ذبح کیا گیا۔ اسی طرح یہ بھی اگر ضرورت پڑی تو خدا تعالیٰ کی خاطر اپنی جان بخوشی قربان کر دیگا۔ جو شخص قربانی کی اس اہمیت کو سمجھتا ہے وہ قربانی کرتے وقت اسکی اہمیت کو نظر انداز نہیں کر سکتا کسی جانور کو ذبح کرنا قرآن کی زبان میں قربانی نہیں یہ تو محض حقیقی قربانی کا ایک ظاہری نشان ہے حقیقی قربانی کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین۔ تو کہدے کہ میری نماز میری زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں ٭

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جب انسان خدا سے ایسی محبت کرنے لگے کہ اسے اپنی زندگی اور موت کا کوئی دھیان نہ رہے۔ اور وہ سرتاپا خدا کے لئے ہو جائے اس کی مرضی خدا کی مرضی بنجائے۔ جب دنیا کی کوئی مصیبت کوئی خطرہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ سے نہ ہٹا سکے رنج اور مصیبت کے بادل اسے گھیر لیں اس کا مال جان اور عزت خطرے میں پڑ جائیں۔ اس کے عزیز اور اقربا اس کا ساتھ چھوڑ دیں۔ ایسے نازک وقت میں وہ خدا تعالیٰ کی راہ سے نہ ہٹے۔ اور ثبات کا نمونہ دکھائے۔ خواہ اس کو آگ میں ڈالا جائے خواہ پانی میں خواہ پہاڑ سے گرایا جائے خواہ گولی سے اُڑا دیا جائے مگر وہ راہ الٰہی سے نہ ہٹے تب ہم کہیں گے کہ اس نے قربانی کی اصل حقیقت کو سمجھ لیا ہے۔ قربانی کے قومی فوائد بھی ہیں۔ ایک جانور جو ذبح کیا جاتا ہے۔ اس سے پندرہ بیس غریبوں کا پیٹ بھر جائیگا۔ اور اس طرح قوم کے غربا ترقی کرینگے۔ اور اگر یہ قربانی بڑے پیمانے پر کی جائے جس طرح کہ میں کی جاتی ہے۔ تو اس سے لوگوں میں قومی قربانی کا احساس پیدا ہو گا ٭

غرض تمام افعال جو حج میں کیئے جاتے ہیں اپنے اندر معنے رکھتے ہیں۔ اور روحانی ترقی اور رحمت کا باعث ہیں۔ جب ایک مسلمان ایسے مقام کی طرف جاتا ہے جہاں خدا کے کئی پاکیزہ بندوں نے اور نبیوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے رضاء الٰہی حاصل کی اور خود بھی جسمانی طور پر انہیں کی حالت اختیار کر لیتا ہے تو یہ جسمانی مشابہت اس کو روحانی مشابہت اختیار کرنے کی ترغیب دیتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ ان عبادات کو عادتاً اختیار نہ کیا جائے۔ غرض یہ تمام احکام رضاء الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور انسان کو اُن اندرونی روحانی معانی کی طرف توجہ دلاتے ہیں ٭

عبدالوہاب خلف حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رض

ہندو لوگ تین دیوتاؤں یا پیغمبروں کو اپنے دین کے اعلیٰ ارکان تسلیم کرتے ہیں یعنی برہما۔ وشنو۔ شِو کو مسلمان۔ عیسائی۔ اور یہودی بھی تین پیغمبروں کو اپنے دین کے اعلیٰ ارکان یا پیغمبران الوالعزم تسلیم کرتے ہیں یعنی ابراہیمؑ۔ نوحؑ۔ آدمؑ کو میرے خیال میں برہما۔ ابراہیمؑ۔ وشنو اصل میں وِش نوحؑ ہیں۔ یعنی وہ نوحؑ جو وِش تھے، اور جنہوں نے طوفان کے وقت میں کشتی تیار کی تھی۔ اور اس کشتی کے ذریعے ان کی اور ان کے مخلصین کی جانیں بچی تھیں۔ شِو کو تمام ہندو اپنی زبان سے حضرت آدمؑ کا ہمنام قرار دیتے ہیں۔ تمام شِو جی کے پجاری کہتے ہیں۔ کہ شِو اور پاربتی وہی ہیں۔ جنہیں مسلمان بابا آدم اور اماں حوا کہتے ہیں۔ پس وشنو اور شِو کا تو فیصلہ ہو گیا۔ کہ ان سے مراد حضرت نوحؑ اور حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ رہا برہما کا معاملہ۔ ہندوؤں کی تمام قومیں۔ برہمن۔ چھتری۔ ویش اور راجپوت اپنے تئیں برہما کی نسل سے بتلاتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمان، یہودی اور عیسائی اپنا مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ آج سے ۔۔۔۴ سال پیشتر اور مسیح علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل تھا۔ برہما کے زمانے سے مہابھارت کے زمانے تک ایک ہزار سال کا عرصہ گزرا تھا۔ مہابھارت کا زمانہ حضرت مسیحؑ سے ایک ہزار سال پیشتر تھا اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت مسیحؑ حضرت ابراہیمؑ سے دو ہزار سال بعد مبعوث ہوئے تھے ٭

Digitized by Khilafat Library Rabwah

عالمگیر زبان

"وہ وقت نہایت سُرعت سے قریب آرہا ہے جب دنیا ایک بین الاقوامی زبان کی ضرورت کے اظہار کے دائرہ سے نکل کر اسکو عملی جامہ پہنانے کی کوششوں میں منہمک ہو جائیگی"

تخلیق انسانی کے جلد ہی بعد جب انسانی افراد نے یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ علیحدہ علیحدہ رہکر اپنی ضروریات و حوائج کو بحسن تمام پورا نہیں کر سکتے اکٹھے ملکر رہنا شروع کیا تو اسی کے ساتھ ہی لوگوں نے تکلم و تخاطب کا ڈھنگ بھی سیکھا اور اس طرح زبان (لینگ وِیج) کی بنیاد پڑ گئی - کیونکہ اگر وہ اس طرح زبان کی بنیاد ڈالکر ایک دوسرے سے خیالات کو سمجھنے کے لئے کوئی رابطہ نہ قائم کر لیتے ایک دوسرے کے لئے مفید نہیں بن سکتے تھے از بس کہ انسانی آبادی اسوقت نہایت قلیل تھی اور تمدنی دائرہ اس وسعت کو لئے ہوئے نہیں تھا جیسا وسیع اسکو ہم اب دیکھ رہے ہیں۔ اور اسکے ساتھ ہی انسانی ضروریات بھی نہایت محدود تھیں اس لئے زبان کوئی ایسی وسعت اختیار نہ کر سکی، لیکن جوں جوں دنیا کی آبادی ترقی کرتی گئی، انسانی ضروریات بڑھتی گئیں تمدن اپنے ارتقائی مدارج طے کرتا گیا اسی نسبت سے زبان میں بھی وسعت آنی شروع ہو گئی ٭

سوال ہو سکتا ہے کہ تمدن کے آغاز میں تو اسی اصول کے ماتحت ایک ہی زبان کی بنیاد پڑ سکتی ہے پھر رائج الوقت زبانوں کی کثرت کے کیا وجوہ ہیں تو اسکے متعلق اس موقعہ پر یہی کہدینا کافی ہوگا، کہ جن قوانین کے ماتحت انسانی افراد مختلف فرقوں نسلوں اور قوموں میں منقسم ہو گئے۔ درانحالیکہ آغاز میں ایک گروہ ایک فرقہ اور ایک نسل تھے - وہی اصول دنیا کی زبانوں کے موجودہ تنوع کا باعث ہوئے، یہ چیز بہت تطویل طلب ہے کہ انفرادی طور پر ہر زبان کے منصۂ شہود پر لانے والے ظروف و حالات و وجوہ کو زیر بحث لایا جائے - اس مختصر فرصت میں میں صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ کیا وجوہ و اسباب ہیں جو دنیا کو ایک نئی زبان (جس کو ہم عالمگیر یا بین الاقوامی زبان کا نام دے سکتے ہیں) کی ضرورت کا احساس کرا رہے ہیں ٭

یہ حقیقت شاید محتاج تفصیل نہیں کہ جدید اور حیرت انگیز ایجادوں کے پیش نظر موجودہ زمانہ اپنے سے پہلے زمانہ سے بہت مختلف ہے۔ تمدن جدید میں ذرائع آمد و رفت میل و ملاقات کے وسائل اتنے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اہم وسیع اور عالمگیر ہو چکے ہیں، کہ غالباً ان کا تصوّر بھی اگلے وقتوں کے لوگوں کو نہیں تھا۔ زمانہ قدیم میں جب انسانی آبادی مختلف اصناف میں منقسم ہو گئی، اور لوگوں نے ایک دوسرے سے الگ ہو کر چھوٹے بڑے گروہوں اور جماعتوں کی شکل میں مختلف خطہائے زمین میں علیحدہ علیحدہ رہنا شروع کر دیا تو اس علیحدگی کے بعد اسوقت کے تمدّن میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو ان کو بسرعت تمام ملادے یا ایک دوسرے سے وقتاً فوقتاً روشناسی کرانے کا موجب ہو، لیکن موجودہ زمانہ میں یہ وسائل اتنے وسیع طور پر پیدا ہو چکے ہیں کہ انہوں نے دنیا کی مختلف آبادیوں، ملکوں اور قوموں کو ایک آبادی ایک ملک اور ایک قوم کے حکم میں کر دیا ہے۔ ریل، ڈاک، تار، موٹر، ہوائی جہاز اور دخانی جہاز، تار برقی ریڈیو وغیرہ جدید ایجادوں نے دنیا کے مختلف گوشوں کو بالکل ملادیا ہے۔ وہ ممالک یا اقوام جو کسی وقت میں بُعد مکانی کی وجہ سے ایک دوسرے سے ناآشنا اور دُور پڑی ہوئی تھیں ان حیرت انگیز ایجادوں کے باعث مکانی بُعد کو قائم رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے آشنا اور قریب ہو چکی ہیں، اور ان کو ایک دوسرے کا پڑوسی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور جیسا میں نے ابتدائی سطروں میں بتلایا تھا کہ دنیا کی پہلی زبان کے بننے کا باعث سوسائٹی کی یہ ضرورت تھی کہ تا اس کے افراد ایک دوسرے کے احساسات و عواطف کو سمجھ سکیں اسی طرح اس زمانہ میں بھی ایک بین الاقوامی یا عالمگیر زبان کی ضرورت ہے تا اقوام ایک دوسرے کے خیالات و امیال سے واقف ہو سکیں، آج زمانہ کی ترقی نے مثلاً ایک ہندوستانی اور انگریز کے ملاپ کو بہت آسان کر دیا ہے، اور ان کے لئے بہت مواقع پیدا کر دیئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے مل سکیں لیکن ان کا ملنا ایک دوسرے کے لئے آرام و راحت کا موجب بننے کی بجائے باعث تکلیف و بے چینی ہو جائیگا۔ اگر ان کے درمیان کوئی ایسا رابطہ نہیں جو ایک کو دوسرے کے خیالات اور ارادوں سے واقف کر سکے۔ یعنی اگر ایک دوسرے کی زبان کو نہیں سمجھ سکتے تو یہ ملاقات بدمزگی اور انتشار پیدا کرنیوالی ثابت ہوگی اور اس سے کوئی اہم فائدہ مرتب نہیں ہوگا نہ وہ اُردو میں گفتگو کر سکیں گے اور نہ ہی انگریزی میں۔ کیونکہ ایک انگریز کے لئے جو اُردو سے نابلد ہے اُردو میں گفتگو بالکل بے معنی ہوگی اسی طرح ایک ہندوستانی کے واسطے جو انگریزی نہیں جانتا انگریزی میں گفتگو کوئی مفہوم نہیں رکھیگی*

آج دنیا میں جو زبانیں مروّج ہیں وہ صرف بین الافراد مستعمل ہیں اس لئے صرف ایسی سوسائیٹیوں کے لئے ہی مفید ہیں جس کے ممبر یا اجزا افراد ہیں۔ مثلاً پشتو صرف افغان سوسائیٹی کے لئے مفید ہے کیونکہ یہ سوسائیٹی افراد پر مشتمل ہے، فارسی یا پہلوی صرف ایرانیوں کے کام کی ہے کیونکہ ایرانی قوم افراد

Digitized by Khilafat Library Rabwah
پر مشتمل ہے، فرانسیسی زبان صرف فرانسیسیوں کے لئے سودمند ہے کیونکہ اسکے اجزا افراد کی شکل میں ہیں۔ لیکن موجودہ تمدن نے جس سوسائٹی کی بنیاد رکھی ہے اس کے اجزا افراد کی شکل میں نہیں بلکہ اقوام کی شکل میں ہیں۔ اس لئے اس جدید سوسائٹی کے لئے وہ زبان مفید نہیں ہو سکتی۔ جو اسلئے ترتیب دی گئی تھی کہ بین الافراد مستعمل ہو بلکہ اس سوسائٹی کے فائدہ کی زبان وہی ہوگی جس کی بنیاد اقوام کے باہمی استعمال پر رکھی جائے گی *

اُردو زبان ایک ہندوستانی کے لئے اس لئے مفید ہے کہ وہ ہندوستانیوں کے لئے بنائی گئی تھی، وہ ہندوستانی خواہ دکن کا رہنے والا ہو یا پنجاب کا، یُوپی کا بسنے والا ہو یا سی۔ پی کا۔ انگریزی زبان ایک انگریز کے لئے اس لئے کارآمد ہے کہ وہ انگریزوں کے لئے بنائی گئی تھی، خواہ وہ انگریز انگلستان کا باشندہ ہو یا آئرلینڈ یا امریکہ کا۔ اسی طرح بین الاقوامی زبان تمام دنیا کے انسانوں کے لئے یکساں مفید ہوگی کیونکہ وہ تمام دنیا کے انسانوں کے لئے بنائی جائیگی وہ انسان خواہ یورپ کے کسی حصّہ کا رہنے والا ہو یا ایشیا کا افریقہ کا باشندہ ہو یا امریکہ کا *

غرض ابتدائے آفرینش میں دنیا کے افراد نے ملکر رہنا شروع کیا اور وہ کسی ایسی زبان کے بغیر گذارہ نہ کرسکے جو بین الافراد مستعمل ہو اور آج دنیا کی اقوام نے اکٹھے ملکر رہنا شروع کیا ہے اور وہ کسی ایسی زبان کے بغیر گذارہ نہیں کرسکتے جو بین الاقوام استعمال کی جائے۔ کسی ایسی زبان کے ہونے سے نہ صرف یہ کہ تمام انسان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ و طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ میل ملاپ کے وقت آسانی سے گفتگو کرسکینگے۔ ایک دوسرے کے مضمونوں کو سمجھ سکینگے ایک دوسرے کے امیال و عواطف سے آگاہ ہو سکینگے، بلکہ جملہ ملل عالم پہلو بہ پہلو بیٹھ کر ایک دوسرے کے اہم مسائل و مشکلات کا مشترکہ مفاد کے لئے بہترین طور پر اندازہ بھی لگا سکینگی، اور اس طرح آپس کی ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ آسان ہو جائیگا جو آجکل لسانی اور ملکی اختلاف کی وجہ سے پیدا ہو چکی ہیں *

خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ زمانہ اپنے سے پہلے زمانہ سے بہت مختلف ہے، اور اسی اختلاف کے اعتبار نے جہاں بہت سی ایسی چیزوں کو جو کسی وقت بیحد اہم سمجھی جاتی تھیں بے ضرورت اور بیکار بنا دیا ہے وہاں کئی ایک ایسی ضرورتیں بھی لاحق کردی ہیں جن کی پہلے زمانہ میں کوئی احتیاج نہ تھی، ایسی ہی چیزوں میں سے موجودہ دور میں بعض لوگ خواہ اس کو کتنا ہی غلط ناقابل عمل اور مضحکہ خیز خیال قرار دیں ایک عالمگیر زبان کی ضرورت بھی ہے *

Digitized by Khilafat Library Rabwah

یہ محض ایک نظریہ ہی نہیں بلکہ پچھلے اڑھائی سو سال میں کسی ایسی زبان کے بنانے کے لئے کئی ایک کوششیں کی بھی جا چکی ہیں، جن میں سے اہم ترین کوشش ڈاکٹر زیمنہوف (Dr. L. ZAMENHOF) کی ہے، جو اپنی طرف سے قابل ستائش محنت کے بعد ایک زبان کے ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو آجکل اسپرنٹو (ESPERANTO.) کے نام سے مشہور ہے، غیر ممالک کی بندرگاہوں پر آنے جانے والوں اور جہاز پر سفر کرنے والوں کو کبھی کبھی اس کے "پجاری" مل جایا کرتے ہیں[1]۔ اس زبان کا رسم الخط لاطینی ہے، اور مغربی زبانوں کے امتزاج سے اسے پیدا کرنیکی دیانتدارانہ کوشش کی گئی ہے۔ اسے سب سے پہلے ۱۸۸۷ء میں دنیا کے سامنے لایا گیا جب اس کے بانی کی عمر ۲۸ برس کی تھی، یہ زبان دنیا کے کسی خطہ میں رائج نہیں۔ اور اب جو نصف صدی اس کو پیدا ہوئے بھی ہو چکی ہے، پھر بھی اس کا لٹریچر نہایت محدود ہے درانحالیکہ یہ ایسے زمانہ میں دنیا کے سامنے لائی گئی تھی جبکہ وسائل نشرو اشاعت نہایت وسیع تھے اور جس میں بڑی شدت کے ساتھ کسی ایسی زبان کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا تھا۔

۲۔ اس کے علاوہ یورپ میں فرانسیسی زبان کو یہ اہمیت دی گئی ہے کہ اسے بین الاقوامی طور پر استعمال کیا جائے، حکومتوں کے باہمی معاہدات مسوّدات بھی لکھے جائیں ◦

۳۔ پھر انگریزی کی موجودہ وسعت کے پیش نظر اس خیال کا بھی مختلف مواقع پر اظہار کیا جاتا رہا ہے کہ اس کو عالمگیر بنا دینا چاہیئے۔ چنانچہ آج کے سول اینڈ ملٹری گزٹ کے مقالات کے پرچہ میں ذیل کی سطور بھی شائع ہوئی ہیں:۔

"اس بات کے آثار روز بروز ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ زبان انگریزی کسی دن ایک عالمگیر زبان کے متعلق جو اہم ضرورت ہے اس کو پورا کریگی، اور انگریزی بولنے والی اقوام جو تمام دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے انتہائی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں بحیثیت علوم کی زبان متوسل د میڈیم آف ایجوکیشن) یا ذریعہ تعلیم ہونیکے انگریزی ہر ایک کی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے، مثال کے طور پر یہی دیکھ لیں کہ انگریزی زبان نے

[1] - ہمارے قاضی محمد اسلم صاحب جب انگلستان تکمیل تعلیم کے لئے تشریف لے گئے تھے تو جہاز پر آپ کو بھی اسی زبان کا ایک "دلدادہ" مل گیا تھا جو راستہ بھر قاضی صاحب بیان کرتے ہیں نہایت الحاح و اصرار کے ساتھ میرے پیچھے پڑا رہا کہ مجھ سے اسپرنٹو سیکھ لو ایک ہفتہ میں آجائیگی ◦

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ہندوستان کی مختلف اور گوناگوں اقوام کو اکٹھا کر دیا ہے اور ان کو خط وکتابت کا مشترکہ ذریعہ اور دنیا پر نگاہ ڈالنے کا ایک نقطہ مرکزی عطا کیا ہے ...... پس اگر ہندوستان کی مختلف اور گوناگوں اقوام کے لئے یہ زبان اتنا کچھ کر سکتی ہے تو اقوام عالم کے لئے اس سے کیوں ایسی توقعات قائم نہیں کی جاسکتیں" (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۔ مورخہ ۲۵ ؍نومبر ۱۹۳۲ء)

سطور بالا کا مفہوم بالکل صاف ہے ان کا لکھنے والا انگریزی کے لئے یہ سفارش کرتا ہے کہ دنیا کی آیندہ بننے والی مشترکہ زبان اس کو بنایا جائے ۔

پھر کچھ اور لوگ ہیں جن کے پاس انگریزی کے علمبرداروں کی طرح نہ حکومت ہے نہ ظاہری شوکت نہ اپنی بات کو پھیلانے کے وسیع ذرائع ہیں نہ اس کو منوانے کی طاقت ہاں صرف صداقت ان کے پاس ہے اور اسی کے سہارے پر وہ کہتے ہیں کہ دنیا کی بین الاقوامی یا عالمگیر زبان یا تو عربی ہو سکتی ہے یا صرف وہ زبان جس کو ان اصولوں پر اٹھایا گیا ہو جو عربی کے اصول ہیں۔ غرض ایک عالمگیر زبان کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اور دنیا کا بیدار مغز طبقہ وقت کی اس ضرورت کو نہایت شدت سے محسوس کر رہا ہے اور مجھے ایک مرتبہ پھر کہنے دیجئے کہ "وہ وقت دور نہیں جب دنیا ایک بین الاقوامی زبان کی ضرورت کے اظہار کے دائرہ سے نکل کر اس کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش میں منہمک ہو جائیگی"

آئندہ کسی فرصت میں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو یہ بتلاؤنگا کہ عالمگیر زبان کے لئے کن قوانین کی ضرورت ہے، اور بوجوہ ودلائل یہ ثابت کرونگا کہ ان اصولوں اور معیاروں پر صرف زبان عربی ہی پوری اترتی ہے اور جس طرح وہ رائج الوقت زبانوں کی ماں ہے اسی طرح آئندہ بننے والی عالمگیر زبان کو پیدا کرنے کی بھی صرف اسی میں صلاحیت وقابلیت ہے، اور اگر وہ بنی امیہ کے خاتمہ سے پہلے پہلے جزیرہ نمائے عرب سے نکلکر اسلامیوں کی معمولی کوششوں سے دنیا کے اور بہت سے ملکوں کی ملکی اور وہاں کے رہنے والوں کی مادری زبان بن سکتی ہے تو یقیناً اقوام عالم کی متحدہ کوششوں سے اسی عرصہ میں ربع مسکون کو بھی اپنے زیر اثر لانے میں کامیاب ہو جائیگی۔ (انشاء اللہ) اور اسی ضمن میں اسپرنٹو۔ فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں عالمگیر بننے کی جو نااہلیت ہے اُس کو بھی زیر بحث لایا جائیگا - وما باللہ التوفیق ✦ ایڈیٹر- خدا تعالیٰ آپکو توفیق تکمیل دے۔

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کیا انجیل مستقل شریعت کی کتاب ہے؟

نمبر ۲

(گذشتہ سے پیوستہ)

اہل بہا کے دلائل پر نظر

زرقانی صاحب نے ساری انجیل میں سے ۵ باتیں اس امر کے ثبوت میں پیش کی ہیں کہ حضرت مسیحؑ نے توریت کے احکام میں تبدیلیاں کیں اس لئے آپ صاحب شریعت اور مستقل رسول تھے۔ مثلاً فرمایا (۱) طلاق کے حکم میں تبدیلی کی (۲) انتقام نہ لینے کا حکم دیا جو کہ توریت کے حکم کے خلاف ہے (۳) توریت کے روزے کو منسوخ قرار دیا (۴) سبت کی حرمت قائم نہیں رہنے دی اور سبت ہی کے اندر (۵) قربانی کے خلاف بھی خیال ظاہر کیا ہے گویا ان پانچ باتوں کی موجودگی سے توریت منسوخ ہو گئی اور آپ ایک نئی شریعت لانے والے اور مستقل رسول قرار دیئے گئے۔

اس کے جواب میں یہ عرض ہے کہ اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ واقعی حضرت مسیح نے توریت میں پانچ ترمیمیں یا تبدیلیاں کیں اور جو کچھ موجودہ اناجیل میں درج کیا گیا ہے وہ حرف بحرف درست ہے اور اس میں تحریف وغیرہ نہیں کی گئی۔ تو کیا صرف پانچ احکام کے تبدیل کرنے سے توریت کی شریعت سے حضرت مسیح آزاد ہو گئے تھے توریت میں ہزاروں احکام موجود ہیں۔ اُن میں کوئی تبدیلی آپ نے نہ کی گویا ہزاروں ہزار احکام کے لئے حضرت مسیحؑ توریت کے ماتحت نبی اور رسول تھے اور اسی کے مطابق حکم احکام دیتے تھے۔ اسی کے مطابق دیگر سابق انبیاء بنی اسرائیل کی طرح فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ توریت کے ہزاروں ہزار احکام کو نہ تو تبدیل کیا گیا اور نہ ہی کوئی نئی شریعت دی گئی بلکہ اسی توریت پر چلنے کا کئی جگہ حکم موجود ہے۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ پانچ احکام کو چھوڑ کر آپ توریت کے ماتحت نبی تھے۔ جو دوسری شریعت کے ماتحت ہو نہ صرف ایک حکم میں یا دو میں بلکہ ہزاروں احکامات کے ماتحت وہ ہرگز ہرگز مستقل صاحب شریعت نبی نہیں کہلا سکتا۔ مستقل رسول اور نبی وہی ہوتا ہے۔ جو کہ سابقہ شریعت کو کُلّی طور پر منسوخ کرے اور اپنے پیرووں کے لئے ایک نئی اور مستقل شریعت لائے اور اس شریعت کی موجودگی میں کسی سابقہ شریعت پر عمل درآمد کرنے کی ضرورت باقی نہ رہے اور اگر کوئی حکم پُرانی شریعت کا منسوخ نہ ہوا ہو تو وہ حکم نئی شریعت میں شامل ہو کر اسی کا جزو بن گیا ہو۔ اس حکم پر چلنے کے لئے کسی سابقہ شریعت کی کتاب کی ورق گردانی کی ضرورت باقی نہ رہی ہو۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ قرآن اور توریت مستقل شریعت کی کتابیں ہیں توریت کی موجودگی میں کسی سابقہ شریعت کی حاجت نہیں ہے جو احکام بھی یہود کے لئے ضروری تھے وہ سب اس میں موجود ہیں۔ اگر کوئی حکم ایسا بھی ہے جو کسی سابقہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

شریعت میں پہلے تھا تو وہ دوبارہ توریت میں خدا نے نازل کر کے توریت ہی کی شریعت کا جزء قرار دیدیا۔ ایسا ہی قرآن کریم اور اسلامی شریعت کو لے لو۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ قرآن کریم کی موجودگی میں توریت کی ضرورت قائم نہیں رہتی۔ مستقل طور پر خود قرآن ایک شریعت کی کتاب ہے۔ اسکے خلاف انجیل کو پڑھ جاؤ۔ اوّل تو یہ خدا کی طرف سے شریعت کی کتاب ہی نہیں۔ دوم۔ سوانح حیات کے متعلق بعض آدمیوں نے سُنی سُنائی باتیں لکھ دی ہیں۔ سوم۔ اگر کوئی نیا حکم بھی ملتا ہے۔ جو ظاہر طور پر توریت کے احکامات کے خلاف معلوم دیتا ہے تو باقی ہزاروں ہزار احکام تو توریت کے اسی طرح قائم ہیں اور انہی پر حضرت مسیحؑ کاربند ہے اور اسی کی تعلیم آپ اپنے شاگردوں کو دیتے رہے۔ اس لئے انجیل مستقل شریعت کی کتاب تو ہرگز نہ ہوئی صرف پانچ احکام کی کتاب تو کہہ سکتے ہیں ورنہ مستقل شریعت کی کتاب کوئی صاحب خرد و عقل ہرگز ہرگز نہ کہیگا *

دوسرے ہم اِن پانچ باتوں کے متعلق یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انجیل میں تحریف ہوتی آئی ہے اور موجودہ اناجیل خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہرگز ہرگز نہیں اس لئے اگر اُن میں توریت کے حکموں کے خلاف کوئی بات پائی جاتی ہو تو قابل سند نہیں کہ ضرور ضرور یہی تعلیم حضرت مسیحؑ نے بیان فرمائی تھی *

تیسرے یہ بھی غلط ہے کہ آپ نے پانچ احکام توریت سے تبدیل کر دیئے۔ مثلاً (۱) قربانی آپ نے منسوخ نہیں کی (۲) سبت کی حرمت آپ نے جان بوجھ کر نہیں توڑی۔ ایک دفعہ بوجہ اضطرار آپکے شاگردوں سے ایک کام ہو گیا تھا وہ سبت کے حکم کو توڑنے والا ہرگز نہ تھا اور نہ ہی آپ کا کوئی حکم سبت کی حرمت توڑنے کے لئے کسی جگہ ملتا ہے۔ (۳) توریت کے روزے ہرگز ہرگز آپ نے منسوخ نہیں کیئے۔ وہ دھوکہ دیتا ہے جو کہتا ہے کہ آپنے روزوں کا حکم منسوخ کر دیا *

اب پانچ احکام میں سے خالی دو حکم باقی رہ گئے کہ آپنے طلاق کا حکم منسوخ کر دیا۔ اور دوسرے انتقام لینے کے حکم کے خلاف آپنے نرمی کی تعلیم دی۔ ظاہر طور پر یہ دو باتیں توریت کے احکام کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ کیا کوئی محض دو احکام بدل دینے سے مستقل صاحب شریعت قرار دیا جاسکتا ہے، اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے کوئی ایک دمڑی اپنی جیب میں رکھ کر یہ خیال کرے کہ مَیں کروڑپتی مالدار ہوں۔ یا کوئی ہلدی کی ایک چھوٹی سی گرہ اپنے پاس رکھ کر ایک بڑا پنساری بننے کا دعوٰی کر بیٹھے۔ یا کوئی ایک آدھ دوائی کا استعمال سیکھ کر بہت بڑا حاذق حکیم بن جائے۔ یا کوئی کوئیں کے مینڈک کی طرح کوئیں میں رہتا ہوا ایک وسیع سمندر کی وسعت اور اسکی گہرائیوں کے متعلق خیال آرائی کرنے لگ جائے کہ وہ اس کوئیں سے بڑا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال زرقانی صاحب کا ہے کہ ایک دو حکموں کو لیکر حضرت مسیحؑ کو ایک مستقل صاحب شریعت نبی قرار دینے لگ گئے ہیں۔ اور اِن حکموں کی بھی جب جانچ پڑتال کی جائیگی اسوقت

Digitized by Khilafat Library Rabwah

زرقانی صاحب کی یہ دلیل بھی بودی ہی رہ جائیگی اور ایک حکم بھی انشاء اللہ ایسا نہیں رہیگا جو کہ آپ نے حقیقی طور پر توریت سے تبدیل کرکے منسوخ قرار دیا ہو جیسا کہ آگے چل کر ہم نمبروار زرقانی صاحب کے اعتراضات پر تبصرہ کرینگے ؕ

روزہ کی منسوخی

سب سے پہلے میں زرقانی صاحب کی اس دلیل کو لیتا ہوں کہ آپنے چونکہ توریت کے روزے کو منسوخ قرار دیا اس لئے حضرت مسیح صاحب شریعت اور مستقل رسول تھے۔ مثلاً فرماتے ہیں کہ "موجودہ اناجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزہ کو منسوخ کرنیکا حکم دیا جو توریت کا حکم تھا۔ متی باب ۹ آیت ۱۴ کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں"۔ کہ وہ روزہ جو تورات کا حکم تھا اس کو پُرانی مشک کہا گیا۔ جو نئی مئے یعنی حضرت مسیحؑ کے نئے حکم کے لئے مفید نہیں اور اِس سے تورات کا روزہ منسوخ ہوگیا۔" (کوکب جلد دہم نمبر چہارم) سبحان اللہ کیا علم ہے۔ کیا زبردست اور لاجواب استدلال ہے۔ اوّل تو زرقانی صاحب نے توریت کے حکم کا حوالہ ہی نہیں دیا کہ فلاں حکم کو منسوخ کیا۔ دوسرے انجیل میں بھی ایسا نہیں لکھا جیسا کہ زرقانی صاحب از خود ہی فرماتے ہیں" کہ موجودہ اناجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزہ کو منسوخ کرنیکا حکم دیا جو توریت کا حکم تھا"۔ میں نے اناجیل کو غور سے دیکھا مجھے اس قسم کی عبارت کہیں بھی نہیں ملی کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزہ کو منسوخ کرنیکا حکم دیا جو توریت کا حکم تھا۔ کسی جگہ نہیں لکھا کہ توریت کے روزہ کو منسوخ کیا جاتا ہے۔ کسی جگہ بھی یہ نہیں کہ روزہ مت رکھو۔ مگر زرقانی صاحب محض چالاکی سے یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزہ کو منسوخ کرنیکا حکم دیا جو توریت کا حکم تھا۔ اگر منسوخ کرنیکا حکم ہوتا اور وہ بھی توریت کے روزے کو منسوخ کرنیکا حکم تو ضرور اناجیل میں ہوتا۔ یوحنا نے شاگردوں کے روزہ نہ رکھنے اور حضرت مسیحؑ کا جواب ہی نہیں لکھا۔ اور نہ اس نے اس معمولی واقعہ کو زیادہ اہم خیال کیا۔ اس لئے اس نے تو چھوڑ دیا۔ متی۔ مرقس اور لوقا میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ بھی اس طرح نہیں جس طرح زرقانی صاحب بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً آپ نے متی باب ۹ آیت ۱۴ کا ذکر کیا ہے اس میں یہ بات اس طرح لکھی ہے " اس وقت یوحنا کے شاگردوں نے اس کے پاس آکر کہا کیا سبب ہے کہ ہم اور فریسی تو اکثر روزہ رکھتے ہیں اور تیرے شاگرد روزہ نہیں رکھتے۔ یسوع نے اُن سے کہا کیا براتی جب تک دولہا اُن کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں۔ مگر وہ دن آئینگے کہ دولہا ان سے جُدا کیا جائے گا اسوقت وہ روزہ رکھیں گے۔ کورے کپڑے کا پیوند پُرانی پوشاک میں کوئی نہیں لگاتا ...... نئی مئے پُرانی مشکوں میں نہیں بھرتے بلکہ نئی مئے نئی مشکوں میں بھرتے ہیں"۔ مرقس میں لکھا ہے کہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس وقت یوحنا کے شاگرد اور فریسی روزہ سے تھے۔ اور باقی عبارت کا مفہوم یہی ہے لوقا میں یہ زائد الفاظ آئے ہیں "کوئی آدمی پرانی مے پی کر نئی کی خواہش نہیں کرتا کیونکہ کہتا ہے پرانی ہی اچھی ہے"۔

اب کوئی مجھے بتلائے حضرت مسیحؑ نے کس جگہ فرمایا ہے کہ توریت میں جو روزے کا حکم تھا وہ میں منسوخ کرتا ہوں۔ کہیں نہیں محض زرقانی صاحب کے وہم کا نتیجہ ہے۔ بات معمولی ہے کہ یوحنا کے شاگرد اور فریسی بطور ماتم روزہ سے تھے۔ چونکہ اس ماتم میں حضرت مسیحؑ کے شاگرد شامل نہ تھے۔ اس لئے اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے یہ لوگ روزہ نہیں رکھتے اور ہم روزہ رکھتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ نے جواب میں فرمایا "کیا براتی جب تک دولہا اُن کے ساتھ ہے ماتم کر سکتے ہیں"۔ گویا وہ روزے ماتمی روزے تھے۔ حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں دولہا کی موجودگی میں ماتم کی ضرورت نہیں جب ماتم نہیں تو ماتمی روزے بھی نہیں۔ کیونکہ دُلہا۔ خدا کا فرستادہ۔ غریبوں کو نجات دینے والا اور یہودیوں کا بادشاہ اُن میں موجود تھا۔ اور یہود بادشاہ نہ ہونیکی وجہ سے اور اپنی قوم کو رومی غلامی سے نجات دلانے کی غرض سے روزہ رکھتے اور دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ اُن میں داؤدؑ کی نسل سے مسیحا آئے اور اُن کو غلامی کی زنجیروں سے آنکر نجات دلائے اور یہی وجہ روزہ رکھنے کی تھی۔ مگر جب حضرت مسیحؑ خود آ گئے تو پھر ایسے دولہا کی موجودگی میں۔ یہود کے بادشاہ کی موجودگی۔ غلامی کی زنجیروں سے نجات دہندہ کے روبرو کون ہے جو ماتمی روزے رکھتا پھرے۔ وہ دن تو دراصل خوشی کے ایام تھے چونکہ یہود آپ کے مسیحؑ ہونے سے ناواقف تھے۔ اور کسی دوسرے ہی کے انتظار میں تھے۔ جو دنیوی شان و شوکت کے ساتھ آئے اور بطور ایک بادشاہ کے وہ یہود کو اُن کے دشمنوں پر غالب کر دے۔ اس لئے وہ روزہ رکھتے تھے۔ مگر جن میں مسیحؑ موجود ہو جن میں دولہا موجود ہو اُن کے متعلق حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں اُن کو روزہ رکھنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اُن کو اب ماتم کرنے کی ضرورت باقی نہیں ہے۔ ہاں یہ لوگ بھی روزہ رکھینگے جب اُن میں دولہا نہ رہیگا۔ اُسوقت وہ بھی ماتمی روزہ رکھیں گے۔ مگر اب نہیں۔ بات صاف ہے۔ توریت کے روزے کو نہ منسوخ کرنیکا کوئی حکم دیا ہے اور نہ کوئی نئی بات ہی زائد کی ہے۔ زرقانی صاحب خواہ مخواہ اِن ماتمی روزوں کو شریعت کا حکم قرار دیتے ہیں اور ان کے نہ رکھنے کی وجہ سے توریت کے روزوں کی منسوخی فرماتے ہیں۔

یہود ماتمی روزے پہلے بھی رکھتے تھے

حضرت داؤدؑ کے متعلق لکھا ہے کہ جب ساؤل مارا گیا۔ تو آپ نے بطور ماتم روزہ رکھا۔ جیسا کہ سموایل ۲ باب ۱ آیت ۱۱ و ۱۲ "تب داؤد نے اپنا گریبان پکڑا اور چاک کیا اور سارے لوگوں نے بھی جو اس کے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ساتھ تھے ایسا ہی کیا۔ وہ روئے اور پیٹے اور انہوں نے...... شام تک روزہ رکھا" ایسا ہی جب اوریاہ کی جورو کا لڑکا بیمار پڑا۔ اسوقت بھی حضرت داؤدؑ نے روزہ رکھا۔ سموایل باب ۱۲ آیت ۱۶ میں ہے "سو داؤد نے اس لڑکے کے لئے خدا سے منت کی اور داؤد نے روزہ رکھا اور گھر میں جا کر ساری رات زمین پر پڑا رہا" ایسا ہی ذکریا نبی کی کتاب میں ماتمی روزے رکھنے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ذکریاہ باب ۷ آیت ۴ میں ہے۔ "تب رب الافواج کا کلام مجھے پہنچا۔ اور اس نے کہا کہ تو مملکت کے سارے لوگوں سے اور کاہنوں سے کہہ جب تم لوگوں نے پانچویں اور ساتویں مہینے میں اُن ستر برس تک روزہ رکھا اور ماتم کیا۔ تو کیا کبھی میرے لئے ہاں میرے لئے روزہ رکھا تھا"

اِن حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہود میں یہ دستور تھا کہ ماتمی روزے رکھا کرتے تھے۔ اور ایسے روزے شخصی روزے بھی تھے کہ جس پر کوئی مصیبت آتی ہو وہ روزے رکھے۔ یا قومی مصیبت کے وقت سب قوم ہی روزے رکھے۔ جیسا کہ یہود نے بابل کی قید کے زمانہ میں ستر برس تک پانچویں اور ساتویں مہینے میں روزے رکھے تھے۔ اور حضرت مسیحؑ کے وقت میں بعض یہود ایسے ہی ماتمی روزے رکھتے تھے۔ اور حضرت مسیحؑ نے جواب میں صاف فرمایا ہے کہ جن میں دولہا موجود ہو اُن کو ماتم کرنیکی حاجت نہیں ہے۔ گویا وہ یہود کے روزے ماتمی روزے تھے۔ توریت کی شریعت والے فرض روزے نہ تھے۔ اور میں چیلنج دیتا ہوں کوئی بہائی ثابت تو کرے کہ وہ روزے توریت کی شریعت والے فرض روزے تھے۔ اُن کو حضرت مسیحؑ نے منسوخ قرار دیا۔ حالانکہ اسی حوالے میں موجود ہے کہ میرے شاگرد بھی روزہ رکھینگے جب دولہا اُن میں موجود نہ رہیگا۔ مگر زرقانی صاحب چالاکی سے فرماتے ہیں کہ توریت کے روزے حضرت عیسیٰؑ نے منسوخ کر دیئے *

حضرت مسیح کا روزے کے متعلق حکم

روزے منسوخ تو کیا کرنے تھے خود حضرت مسیحؑ روزے رکھنے کے متعلق ہدایات دیتے ہیں۔ متی باب ۶ آیت ۱۶ میں ہے۔ "اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اُداس نہ بناؤ۔ کیونکہ وہ اپنا مُنہ بگاڑتے ہیں۔ تاکہ لوگ انہیں روزہ دار جانیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تُو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور مُنہ دھو"...... کیا روزہ رکھنے کا حکم ہے یا روزہ منسوخ کرنیکا۔ کیا کوئی ایمانداری کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے روزے کے احکام کو منسوخ قرار دیا۔ کیا کوئی اہل بہاء میں سے ایسا ثابت کر سکتا ہے تو وہ میدان میں آئے اور ثابت کرے کہ حضرت عیسیٰؑ نے توریت والے روزے منسوخ کر دیئے؟

Digitized by Khilafat Library Rabwah

سبت اور قربانی کے متعلق

زرقانی صاحب متی باب ۱۲ آیت ۲ سے حوالہ درج کرکے اس طرح فرماتے ہیں۔ "یہاں حواریوں کو داؤد اور کاہنوں کی مانند اور خود کو بیت المقدس سے بڑا اور سبت کا مالک قرار دیا مقصد یہ کہ داؤد نے جب بھوک کی وجہ سے سبت کو توڑ دیا تو میں جو بیت المقدس سے بڑا اور سبت کا مالک ہوں کیوں سبت کو نہیں توڑ سکتا۔ داؤد بوجہ اضطراب کے بے قصور تھے میں سبت کا مالک ہوں۔ میرے ساتھی سبت کو توڑنے میں اسلئے بے قصور ہیں کہ میں نے سبت کا حکم توڑ دیا۔ یہ صریح شہادت ہے کہ مسیح نے تورات کے حکم سبت کو سبت کا مالک بن کر منسوخ کر دیا جس سے مسیح کا صاحب شریعت ہونا واضح اور اظہر من الشمس ہو گیا۔" (کوکب ہند جلد دہم نمبر چہارم) یہ ہے زرقانی صاحب کی ایمانداری اور حضرت مسیحؑ کے صاحب شریعت ہونیکی صریح شہادت اور شہادت بھی ایسی کہ حضرت مسیحؑ کا صاحب شریعت ہونا" واضح اور اظہر من الشمس ہو گیا۔" سبحان اللہ! کس قدر خلاف واقعہ باتیں ہیں۔ اور زرقانی صاحب کو انجیل پڑھ کر کیسے جرأت ہو گئی کہ اس قسم کے دھوکے لوگوں کو دیں۔ کہ حضرت مسیحؑ نے توریت کے حکم سبت کو منسوخ قرار دیا۔ اگر زرقانی صاحب آیت نمبر اوّل بھی ساتھ ہی درج فرما دیتے تو پھر لوگ اسقدر دھوکہ میں نہ آسکتے۔ اور اگر زرقانی صاحب انجیل کو ایک دفعہ یہ مضمون لکھنے سے قبل پڑھ لیتے پھر کبھی یہ دلیل بیان کرنے کی جرأت نہ کرتے اور اگر انجیل پڑھی تھی تو پھر جان بوجھ کر آپ دھوکہ دے رہے ہیں ؛

متی باب ۱۲ آیات ۱ تا ۸۔ "اسوقت یسوع سبت کے دن کھیتوں میں سے ہو کر گیا۔ اور اسکے شاگردوں کو بھوک لگی اور بالیں توڑ کر کھانے لگے۔ فریسیوں نے دیکھ کر اس سے کہا کہ دیکھ تیرے شاگرد وہ کام کرتے ہیں جو سبت کے دن کرنا روا نہیں۔ اُس نے کہا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ جب داؤد اور اسکے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا۔ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جن کا کھانا اس کو روا نہ تھا۔ نہ اس کے ساتھیوں کو۔ مگر صرف کاہنوں کو۔ یا تم نے توریت میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل میں سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور بے قصور رہتے ہیں۔ میں تم سے کہتا ہوں یہاں وہ ہے جو ہیکل سے بھی بڑا ہے۔ لیکن اگر تم اس کے معنی جانتے کہ میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں تو بے قصوروں کو قصوروار نہ ٹھہراتے۔ کیونکہ ابنِ آدم سبت کا مالک ہے۔"

اِن آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت مسیحؑ کے شاگردوں نے بوجہ بھوک کھیتوں میں سے سبت کے روز بالیں توڑ کر کھائیں۔ (۲) یہود کے خیال میں سبت کے روز بالیں کھانا روا نہ تھا۔ اس لئے اعتراض کیا (۳) جواب فرمایا کہ داؤدؑ اور اسکے ساتھیوں نے بھوک کی وجہ سے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

توریت کے حکم کو توڑا اور نذر کی روٹیاں کھائیں جو اُن کو کھانی روا نہ تھیں۔ (۴) کاہن لوگ ہی سبت کے روز ہیکل میں بیٹھ کر سبت کی بے حرمتی کرتے ہیں اور پھر بھی بے قصور رہتے ہیں۔ (۵) آپ قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتے تھے۔ (۶) آپنے دعویٰ کیا کہ آپ ہیکل سے بھی بڑے ہیں اور سبت کے مالک ہیں۔ زرقانی صاحب نے پہلی آیت ہی نہیں لکھی۔ کیونکہ اس میں بالیں کھانے کی وجہ بھوک لکھی تھی۔ اس لیئے آپ اس بھوک والی آیت کو دھوکہ دینے کی بھوک کی وجہ سے پوری کی پوری آیت ہی نگل گئے اور اس طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا۔ ورنہ مطلب صاف تھا۔ کہ حضرت مسیحؑ کے شاگرد سبت کے روز بوجہ بھوک بالیں توڑ کر کھانے لگے۔ حضرت مسیحؑ نے جواب میں فرمایا کہ حضرت داؤدؑ نے بھی ایک دفعہ ایسا ہی کیا تھا کہ جب آپکو اور آپکے ساتھیوں کو بھوک لگی تو نذر کی روٹیاں لیکر کھالیں۔ جو کہ روا نہ تھیں۔ اس لیئے اگر میرے شاگردوں نے بھی اسی بھوک کی وجہ سے بالیں توڑ کر کھالیں تو کیا ہوا۔ حضرت داؤدؑ نے بھوک کی وجہ سے یہ کام کیا۔ اور بے قصور تھے۔ میرے شاگردوں نے بھی بھوک کی وجہ سے یہ کام کیا۔ اس لیئے وہ بھی بے قصور ہیں۔ اور زرقانی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ حضرت "داؤد بوجہ اضطرار کے بے قصور تھے" جب کوئی ایک موقعہ پر بوجہ اضطرار کے بے قصور ٹھیرایا جا سکتا ہے۔ تو یہی اضطرار پیش آنے پر دوسرا آدمی بھی یقیناً بے قصور ہی رہیگا۔ وجہ دونو صورتوں میں بھوک ہی تھی۔ مگر زرقانی صاحب نے چونکہ پہلی آیت درج حوالہ نہیں کی۔ اس لیئے سبت کے حکم کو توڑنے کی وجہ یہ لکھنی پڑی کہ "میرے ساتھی سبت کو توڑتے میں اس لیئے بے قصور ہیں کہ میں نے سبت کا حکم توڑ دیا" حالانکہ یہ بات ہی نہیں حضرت مسیحؑ نے کہیں نہیں فرمایا کہ میں سبت کا حکم توڑتا ہوں۔ بلکہ مثال ایسی دی ہے جو ہر دو حالتوں میں پوری اُترتی ہے۔ کہ میرے شاگرد اس لیئے بے قصور ہیں جس طرح حضرت داؤدؑ اور آپکے ساتھی بے قصور ہیں۔ انہوں نے بوجہ بھوک کے ناروا کام کیا۔ اور بے قصور ٹھیرے۔ میرے شاگردوں نے بھی بوجہ بھوک کے سبت کے دن بالیں کھائیں اس لیئے وہ بھی بے قصور ہیں۔ یہاں نہ توریت کے حکم کی منسوخی ہے۔ نہ کسی حکم کو توڑنے کا آپنے حکم دیا ہے۔ اس لیئے جب کوئی حکم منسوخ ہی نہیں ہوا تو حضرت مسیحؑ کا صاحب شریعت ہونا بھی واضح اور اظہر من الشمس نہ ہوا۔ اور یہی میرا مطلب تھا۔ رہا سبت کا مالک اپنے تئیں قرار دینا۔ سو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ سبت کیا ہے ایک آرام کرنیکا مخصوص دن ہے۔ جس طرح اور دن خدا کے پیدا کردہ ہیں یہ بھی ویسا ہی دن ہے اور انبیاءؑ جو کہ خدا کی طرف سے مامور ہوکر آتے ہیں یقیناً سبت سے بڑے ہوتے ہیں۔ سبت کی کوئی حقیقت ہی اُن کے آگے نہیں ہے۔ اس لیئے فرمایا کہ میں سبت کا مالک ہوں۔ میں سبت اور ہیکل سے بڑا ہوں اور جو معنی میں

Digitized by Khilafat Library Rabwah

جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ سبت کی حرمت کن باتوں سے قائم ہوتی ہے اور کن باتوں سے ٹوٹتی ہے کیونکہ میں سبت کا مالک ہوں۔ مجھے اس سبت کے متعلق سب باتیں معلوم ہیں۔ اور تمہارے اعتراض سب فضول ہیں۔ تم بے قصوروں کو قصوروار ٹھیراتے ہو۔ یہ بات تو ایسی ہی ہے جیسے کوئی مسلمان بوجہ اضطرار سؤر کھالے۔ یا شراب جو حرام ہے ڈاکٹر کی تجویز کے موافق کبھی کسی بیماری میں آسے پی لے۔ یا ایسا ہی کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوئی ایسا کام کرلے جو کہ عام صورتوں میں روا نہ ہو۔ اب اس پر کوئی شور مچانے لگ جائے کہ دیکھو شریعت اسلام کو منسوخ قرار دیدیا۔ یا جیسا کہ آجکل کے بعض مولوی لوگ ریل کے سفر میں روزہ رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں اور جو کوئی ایسے سفر میں روزہ نہیں رکھتا اس کو مجرم گردانتے ہیں۔ حالانکہ سفر میں روزہ رکھنا روا نہیں مگر مولوی صاحبان غلط فہمی کی بنا پر سفر میں روزہ ضروری قرار دیتے ہیں اور ریل کے سفر کو سفر ہی نہیں کہتے۔ ایسا اعتراض یہود کا تھا۔ مجبوری کی وجہ سے آپکے شاگردوں نے بالیں توڑ کر کھائیں۔ حضرت مسیح نے فرمایا یہ تو قصور ہی نہیں مگر زرقانی صاحب فرماتے ہیں سبت کا حکم منسوخ کردیا۔

سبت کے متعلق ایک اور حوالہ

ایسا ہی انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے سبت کے دن ایک بیمار کا سوکھا ہوا ہاتھ اچھا کردیا اس پر یہود اپنی نادانی کی وجہ سے معترض ہوئے۔ اور حضرت مسیحؑ نے جواب میں فرمایا "سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے یا بدی کرنی۔ جان کو بچانا یا قتل کرنا۔ وہ چپ رہ گئے۔" مرقس باب ۳ آیت ۴۔ یہاں پر یہودی اپنی نادانی سے یہ خیال کیئے ہوئے تھے کہ سبت کے دن نیکی کرنی بھی روا نہیں۔ حضرت مسیحؑ نے خدائی الہام کے ذریعے عملاً سبت کے احترام کے متعلق سبق سکھایا کہ سبت کے دن نیکی کرنی روا ہے۔ برائی کرنی منع ہے۔ توریت سے بھی نیکی کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ اور پھر یہودی حضرت مسیحؑ کا جواب سن کر لاجواب ہو کر خاموش رہ گئے۔

دوسرا حوالہ

ایسا ہی سبت کے دن ایک بیمار کو حضرت مسیحؑ نے اچھا کر دیا۔ یہود اعتراض کرنے لگے آپنے فرمایا "تم سبت کے دن آدمی کا ختنہ کرتے ہو۔ جب سبت کے دن آدمی کا ختنہ کیا جاتا ہے تاکہ موسیٰ کی شریعت کا حکم نہ ٹوٹے تو کیا مجھ سے اس لئے غصہ ہو کہ میں نے سبت کے دن ایک آدمی کو بالکل اچھا کر دیا۔ ظاہر کے موافق فیصلہ نہ کرو۔ بلکہ انصاف سے فیصلہ کرو۔" دیوحنا باب ۷ آیات ۲۳ تا ۲۴۔ یہاں بھی یہود اپنی نادانی سے اعتراض کرتے تھے۔ مگر آپنے جواب میں فرمایا کہ تم بھی تو سبت کے دن آدمی کا ختنہ کرکے سبت کی بے حرمتی کرتے ہو اور پھر بے قصور بھی رہتے ہو اگر میں نے سبت کے دن کسی آدمی کو اچھا

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کردیا تو کیا ہُوا۔ ان ہر دو حوالوں میں حضرت مسیحؑ کہیں نہیں فرماتے کہ میں نے سبت کا حکم سبت کا مالک بن کر توڑ دیا البتہ میرے شاگرد بے قصور ہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں تمہارا اعتراض ہی فضول ہے ایسی باتیں کرنی جائز ہیں اور اس طرح کسی بیمار کو اچھا کر دینا سبت کی حرمت کو نہیں توڑ سکتا ؏

حضرت مسیحؑ سبت کی حُرمت کرتے تھے

زرقانی صاحب نے حضرت مسیحؑ پر بیجا الزام لگایا ہے کہ آپ نے سبت کی حرمت کو منسوخ قرار دیا۔ حالانکہ اگر وہ اناجیل میں غور کرتے تو اُن کو اپنی دلیل نہایت ہی بودی معلوم دیتی۔ مثلاً لوقا باب۴ آیت ۱۶ میں ہے "وہ ناصرت میں آیا جہاں اس نے پرورش پائی تھی اور اپنے دستور کے موافق سبت کے دن عبادت خانہ میں گیا اور پڑھنے کو کھڑا ہُوا۔ اور یشعیاہ نبی کی کتاب اسکو دی گئی" اس سے آگے آیت ۳۱ میں ہے "پھر وہ گلیل کے شہر کفرنحوم میں گیا اور سبت کے دن انہیں تعلیم دے رہا تھا" باب۶ آیت ۶ میں ہے "اور یوں ہُوا کہ کسی اَور سبت کو وہ عبادت خانہ میں داخل ہو کر تعلیم دینے لگا" آیت ۱۵ میں ہے "وہ اُن کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اور سب اسکی بڑائی کرتے رہے"

اِن آیات سے کئی باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) اوّل آپ اپنے دستور کے موافق سبت کے دن یہودیوں میں عبادت کے لئے ہمیشہ جایا کرتے تھے۔ اور سبت کی حرمت کی باقاعدہ پابندی فرماتے تھے۔ نہ کہ منسوخ کرتے تھے۔ (۲) دوسرے توریت اور دوسرے انبیاءؑ کی کتب پڑھ کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ (۳) آپ نئی تعلیم نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی نئی شریعت لائے ہوتے تو اس کی تعلیم دیتے۔ مگر اِن حوالوں میں کسی جگہ بھی کسی نئی شریعت کی تعلیم کا ذکر نہیں ہے بلکہ اسکے خلاف موجود ہے (۴) آپ ایسی تعلیم دیتے کہ سب آپکی بڑائی کرتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا یہ مطلب ہُوا کہ آپ توریت اور دیگر انبیاءؑ کی کتب کو پڑھ کر اُن کے ایسے معانی بیان فرمایا کرتے تھے کہ یہود کو کوئی موقعہ آپ پر اعتراض کرنے کا نہیں ملتا تھا بلکہ یہودی آپ کی بڑائی کرتے تھے۔ (۵) سبت کے دن کو ہی شریعت موسوی کے مطابق مقدس خیال کرتے تھے۔ اور سبت کے روز ہی عبادت خانہ میں جانیکا آپکا دستور تھا۔ اتوار کے دن عبادت خانہ میں جانیکا ذکر کہیں مجھے نہیں ملا ؏

اور اتوار کے دن گرجا میں جانا اور عبادت کرنا اور سبت کو منسوخ قرار دینا یہ باتیں تو بہت بعد میں جا کر عیسائیوں نے جاری کی ہیں۔ چونکہ رومی بُت پرستوں میں اتوار کے دن کو سورج دیوتا کا دن خیال کیا جاتا تھا اور اس دن وہ اپنے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے جب رومی سلطنت نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ اسوقت سے ان کا اتوار بھی مقدس خیال کر لیا گیا۔ اور سبت کی حرمت آہستہ آہستہ عیسائیوں سے جاتی رہی۔ ورنہ شروع

Digitized by Khilafat Library Rabwah

شروع میں عیسائی سبت کی حرمت کرتے تھے ٭

حضرت مسیحؑ کے حواری سبت کی حرمت کرتے تھے

لوقا باب ۲۳ کے آخر میں لکھا ہے کہ جب حضرت مسیحؑ کو صلیب دی گئی اور صلیب کے واقعہ کے بعد جب آپ کو جمعہ کے روز قبر میں رکھا گیا۔ تو چونکہ اگلا روز سبت کا تھا۔ کوئی سبت کے روز آپکی قبر پر دیکھنے کے لئے نہ گیا۔ بلکہ لکھا ہے ”سبت کے دن تو انہوں نے حکم کے مطابق آرام کیا“ اگر حضرت مسیحؑ نے سبت کی حرمت کا حکم سبت کا مالک بن کر منسوخ کر دیا تھا۔ اور سبت کی حرمت اب عیسائیوں کیلئے ضروری نہ رہی تھی۔ تو پھر اس قدر نازک موقعہ پر کیوں آپکے شاگرد سبت کے دن خاموش ہو کر بیٹھے رہے۔ کیوں توریت کے حکم کے مطابق آرام کیا۔ کیوں نہ سبت کی حرمت کو توڑا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ نے کبھی بھی سبت کے حکم کو منسوخ نہیں کیا اور نہ ہی آپکے شاگردوں نے کبھی ایسا خیال کیا۔ ورنہ وہ کبھی سبت کے دن حکم کے موافق آرام نہ کرتے ٭

اصل بات یہی ہے کہ زرقانی صاحب دھوکہ دینا چاہتے تھے اور اس میں اُن کو کامیابی نہیں ہوئی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیحؑ نے سبت کا حکم منسوخ کیا ہی نہیں اس لئے آپ صاحب شریعت اور مستقل رسول بھی نہ ہوئے۔ اور اگر سبت کے دن آپنے کوئی ایسا کام کیا جو ظاہر طور پر روا نہ تھا تو اس کا جواب بھی آپنے دیدیا ہے ورنہ دراصل سبت کے دن نیکی کا کام کرنے کی ممانعت نہ تھی۔ محض دنیادی کاروبار منع تھے۔ جیسا کہ خروج باب ۲۰ آیت ۸ میں ہے ”تو سبت کا دن پاک رکھنے کیلئے یاد کر۔ چھ دن تو محنت کر کے اپنے سارے کام کاج کر لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے اس میں کچھ کام نہ کر“

اِن آیات میں دنیادی کاروبار کے متعلق ممانعت آتی ہے۔ ورنہ دینی کام اور نیکی کرنا منع نہیں ہے۔ بلکہ بعض حالتوں میں تو سبت کے دن بعض کام کرنے جائز ہیں جیسا کہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا ہے کہ ختنہ کرنا یہود میں جائز ہے۔ فریسی ہیکل میں بیٹھ کر سبت کے دن قربانی وغیرہ کرتے تھے اور بے قصور رہتے تھے۔ اور سبت کے دن قربانی کرنیکا حکم گنتی باب ۲۸ آیت ۹ میں موجود ہے ”اور سبت کے روز ایک سالہ بے عیب دو برے اور نذر کی قربانی دو۔ ...... یہ سبت کی سوختنی قربانی ہے“ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ سبت کے دن دینی اور نیکی کے کام کرنے جائز تھے۔ اسلئے سبت کے روز اگر حضرت مسیحؑ نے بیماروں کو اچھا کر دیا تو جائے اعتراض نہیں ہے۔ اور پہلی صورت میں بھوک کی وجہ سے سبت کا حکم توڑا تھا اور چونکہ وجہ اضطراری تھی۔ جیسا کہ حضرت داؤدؑ نے اضطرار کی وجہ سے نذر کی روٹیاں لیکر کھائیں اور بے قصور تھے۔ اس لئے یہاں پر بھی آپکے شاگرد بوجہ اضطرار کے بے قصور ہیں ٭

Digitized by Khilafat Library Rabwah

صیام رمضان و احکامہا

خدا تعالیٰ نے انسان کو جس قدر عبادات بجالانے کا حکم دیا ہے۔ اور جن پر انسان عمل پیرا ہو کر قرب حقیقی حاصل کر سکتا ہے وہ ۲ دو قسم کی ہیں۔ نمبر ۱ عبادات ظاہری۔ جن کو انسان علانیہ طور پر بجالاتا ہے۔ اس لئے کہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے۔ جب انسان اپنا ظاہر پاک و صاف رکھیگا تو طبعاً اس کا اندرونہ بھی مصفیٰ شیشہ کی طرح صیقل ہو جائیگا۔ جب انسان عبادات الٰہیہ کے لئے اپنے اعضائے ظاہرہ کو حرکت میں لائیگا۔ تو اندرونہ بھی ظاہری اعضاء کی حرکت سے متأثر ہو کر حرکت میں لگ جائیگا۔

دوسری قسم کی عبادات روحانی و باطنی ہوتی ہیں۔ جن کا تعلق صرف دل سے ہوتا ہے اور ان کے بجالانیوالے مخلص انسان کا علم صرف خدائے برتر و بزرگوار تک ہی محدود ہوتا ہے۔ اور باقی لوگ اُس کی اس عملی حالت کے جاننے سے قاصر ہوتے ہیں۔ جن میں سے ایک صیام رمضان بھی ہے۔

صوم کے لُغوی معنے انقطاع عن العمل کے ہیں اور شریعت میں صبح صادق سے لیکر غروب الشمس تک کھانے پینے اور صحبت سے بچے رہنے کو کہتے ہیں۔ اور صیام رمضان ہر بالغ عاقل مقیم تندرست مُسلم پر واجب ہیں اور ان کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا بنی نوع انسان کو کسی عبادت کے کرنے کا حکم دینے سے صرف اس کا تقویٰ و طہارت ہی ملحوظ ہوتا ہے۔ تا انسان قرب الی اللہ کے لئے قربانیاں کرے اور ضروریات جسمانیہ سے بکلی منقطع ہو کر اس کے قرب و جوار میں پناہ گزین ہو۔ جیسے فرماتا ہے کہ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماؤھا ولٰکن ینالہ التقویٰ منکم۔ کہ جس طرح تمھاری ظاہری قربانیوں سے خدا تعالیٰ کو تمھارا تقویٰ ملحوظ ہوتا ہے اسی طرح تمھاری روحانی قربانیوں سے خداوند کریم کا اسکے بجالانے کا حکم دینے سے بھی مقصد عظیم تقویٰ ہی ہوتا ہے چنانچہ روحانی قربانی یعنی روزوں کے متعلق فرماتا ہے کہ یاایہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔ روزوں کو روحانی قربانی کہا کیونکہ انسان رضاءِ الٰہی کے لئے کھانے پینے کی اشیاء سے الگ ہو جاتا ہے جیسے حدیث میں آیا ہے کہ یدع طعامہ وشھویہ من اجلی۔ پس جس عبادت سے غرض مذکور مفقود ہو جائے اس کے کرنے یا نہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا بلکہ ایسا انسان اپنے نفس کو فضول تکلیف میں ڈالتا ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ کم من صائم لیس لہ من صیامہ

الا الظما وکم من قائم لیس له من قیامه الا السهر ۔ (کقول الشاعر الکریم ؎

ما الخیر صوم یذوب الصائمون له ٭ ولا صلوٰة ولا صوف علی الجسد

وانما هو ترك الشر مطرحا ٭ ونفضك الصدر من غل ومن حسد

آیت مذکورۃ الصدر میں جہاں روزوں کی غرض حقیقی تقویٰ اور تطہیر قلب بتائی گئی ہے وہاں یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ یہ عبادت کوئی نئی عبادت نہیں ہے بلکہ ہم سے پہلے اسلاف بھی بجالانے کا حکم دیئے گئے تھے اور وہ اسے بجالاتے تھے۔ اس بیان کی وجہ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر ہر ایسے کام کو جو پہلے سے ہی اسکے سپرد ہو اور آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملا ہو بسہولت سرانجام دیتا ہے۔ لیکن جب اسے معلوم ہو کہ یہ نئے سرسے میرے ہی گردن کا ہار بنا ہے تو خواہ کسقدر آسان کیوں نہ ہو اُسے بارگراں خیال کرکے وبال جان سمجھیگا۔ سو خدا تعالیٰ نے ساتھ اس کی بھی تشریح کر دی تا ان کے ادا کرنے میں آسانی ہو ٭

حکمت الصیام :- ایام رمضان بندگان خدا کے لئے بمنزلہ ایک غذا کے ہوتے ہیں جس طرح دنیاوی بندہ بغیر جسمانی غذا کے نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح روحانی انسان بھی اس روحانی غذا کے بغیر نہیں رہ سکتا بلکہ اس کی روحانیت کا کھلا ہوا شگوفہ مرجھانے لگ جاتا ہے۔ اور جس طرح جسمانی غذا جسم کو مقوی و فربہ بناتی ہے اسی طرح روحانی غذا بھی باعث ازدیاد روحانیت ہوتی ہے۔ اور ان دو مختلف غذاؤں کے نتیجہ میں انسان کے اندر دو متضاد قوّتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ کیونکہ ہر دو مختلف غذائیں مختلف اثر رکھنے کی وجہ سے متضاد نتائج پیدا کرتی ہیں۔ پس جسمانی غذا کی وجہ سے انسان میں جو قوت پیدا ہوتی ہے وہ صوفیا کرام کی اصطلاح میں **قوّت بہیمیہ** کہلاتی ہے۔ چونکہ یہ قوّت کثرت خون و طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کا کام بھی شہوات نفسانیہ کو اُبھارنا اور روحانیت کو مار کر انسان کو ایسے افعال کی طرف راہنمائی کرنا ہے جو باعث غضب اللہ و سخط ہوں۔ اور وہ قوّت جو روحانی غذا کے سبب سے پیدا ہوتی اور اس کی وجہ سے نشوونما پاتی ہے اسے **قوّت ملکیہ** بولتے ہیں یہ قوّت ایسے افعال کی طرف انسان کو آمادہ کرتی ہے جو باعث لقاء اللہ ہوں۔ اور چونکہ دونو قوتیں آپسمیں متخالف و متضاد ہیں لہٰذا جس غذا سے ایک کو تقویت ہوتی ہے اس سے دوسری کو ذبول و کمزوری لاحق ہوتی ہے اور ایک کے بڑھنے سے دوسری گھٹتی ہے۔ پس خداوند کریم کے روزوں کو فرض کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہی تھی کہ قوت بہیمیہ سارا سال عمدہ غذاؤں سے نشوونما پاتی رہتی ہے اور حد سے بڑھ جاتی ہے حتّٰی کہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں نفس امارہ نفس لوامہ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

پر غالب ہی نہ آجائے اور اس کے مقابل پر قوت ملکیہ کمزور ہوتی جاتی ہے۔ لہٰذا قوت بہیمیہ کو کمزور کرنے اور قوت ملکیہ کو فروغ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے صیام کو فرض کر دیا ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے بھی اس حکمت عظیمہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ناکتخدا انسان کو کثرت صیام کی تاکید کی ہے تاکہ اس کی قوت بہیمہ جو سارا سال بڑھتی رہتی ہے کمزور ہو جائے۔ اس کے مقابل پر قوت ملکیہ تیز ہو جائے۔ اور انسان کی کشفی طاقت بڑھ جائے جو باعث رویت اللہ ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں۔ اذا کان اوّل لیلۃ من شہر رمضان صفدت الشیاطین ومردۃ الجن وغلقت ابواب النار فلم یفتح منہا باب وفتحت ابواب الجنۃ فلم یغلق منہا باب الخ کہ ایام رمضان میں شیاطین جکڑے جاتے ہیں اور ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں پڑ جاتی ہیں جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ شیطانی طاقت جسے ہم بہیمیہ سے موسوم کر آئے ہیں کمزور ہو کر مغلوب ہو جاتی ہے اور اس پر قوت ملکیہ جو باعث قرب الی ابواب الجنۃ ہے تیز ہو کر غالب آجاتی ہے۔ اور تصفید الشیاطین سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ واقعی طور سے وہ بیڑیاں ڈالے جاتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ شیاطینی طاقتیں روحانی قوتوں سے مغلوب ہو جاتی ہیں اور یہ صرف روزہ داروں کے لئے ہی مخصوص ہے کیونکہ قوت روحانیہ جو شیطانی طاقت کو مغلوب کرتی ہے صرف انہیں لوگوں کی تیز ہوتی ہے۔ لیکن بالمقابل اسکے وہ لوگ جو روزے نہیں رکھتے اور ان کی قوت قدسیہ تیز نہیں ہوتی وہ اس سے مستغنی ہیں ان کے لئے ویسے ہی شیطانی طاقتیں آزاد رہتی ہیں *

برکات رمضان

رمضان المبارک کے فوائد عظیم القدر ہیں کہ شمار قطار سے بھی باہر ہیں پہلے تو قرآن کریم کا ہی نزول دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس۔ کہ رمضان کی پہلی برکات میں سے نزول قرآن ہے جو باعث ہدایت اور راہنمائی ہے۔ دوسرے۔ انسان جب روزہ رکھتا ہے اور کھانے پینے اور صحبت سے بچتا ہے تو خداوند تعالیٰ کی مشابہت اختیار کر لیتا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ کی شان اس سے بزرگ و بالاتر ہے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اور انہیں ایام رمضان میں ہی بڑی مشابہت کافر سے بچتا ہے کیونکہ ان دنوں میں مومن کو کھانے کا موقعہ کم ملتا ہے حدیث میں آیا ہے کہ المومن یاکل فی معیٍ واحدٍ والکافر فی سبعۃ امعاءٍ تیسرا فائدہ ماہ رمضان کا لیلۃ القدر ہے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

اس رات کی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے اور یہ ایک ایسی خوبی ہے جو اسی کا ہی حصہ ہے جیسے حدیث میں آنحضرت صلعم رمضان کی خوبیاں شمار فرماتے ہوئے فرماتے ہیں فیہ لیلۃ خیر من الف شہر من حرم خیرھا فقد حرم الخیر کلہ۔ پھر اسی روزہ کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ الصیام والقرآن یشفعان للعبد۔ یقول الصیام ای رب انی منعتہ من الطعام والشہوات بالنہار فشفعنی فیہ ویقول القرآن منعتہ النوم باللیل فشفعنی فیہ فیشفعان۔ اور چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ان دنوں میں انسان بوجہ کثرت عبادت کے خدا کے نہایت قریب ہوجاتا ہے اور خیر کے بہت سے طریقے میسر آجاتے ہیں جیسے فرماتا ہے کہ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ کہ جب بھی کوئی دعا گو ایام رمضان میں مجھے پکارے تو کہدو کہ میں اس کی دعا سنتا ہوں۔ اور قبول کرتا ہوں۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ وینادی منادیا یا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقصر وللہ عتقاء من النار۔ اور روزہ کی اسقدر جزائے خیر ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا اجزی بہ۔ باقی نیکیوں کا صلہ تو دس گنا بتادیا مگر صوم کی جزاء دینا اس نے اپنے لئے مخصوص کی ہے کہ میں خود ہی دونگا اس کا ثواب شمار سے باہر ہے۔ پانچواں فائدہ ایام رمضان ہمدردی بنی نوع انسان ہے۔ کیونکہ انسان روزہ رکھیگا اور اسکو بھوک پیاس محسوس ہوگی تو اپنی تکلیف کو دیکھ کر اپنے غرباء بھائیوں کی حالت کا نقشہ دل میں آئیگا تو ہمدردی اور قربانی کا مادہ پیدا ہوگا۔ اور ہمدردی نوع انسان ایک ایسی عبادت ہے جو تمام عبادتوں کا اصل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ من رحم رحم ومن لا یرحم لا یرحم۔ گویا وہ اس ہمدردی و رحم علی الانسان جس کی تحریک روزوں سے ہی ہوتی ہے اپنے آپ کو خدا کے نزدیک قابل رحم اور اسکے فضل کا جاذب ہوجاتا ہے۔ اور اس روزہ سے یہ بھی فائدہ ہوجاتا ہے کہ انسان میں خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکریہ پیدا ہوجاتا ہے اور قدر معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً اگر سارا دن پانی پیتا رہے تو اس کی قدر معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن جب گرمیوں کے دن ہوں روزہ ہو پھر دیکھو کس طرح شدت پیاس کی وجہ سے پانی کی قدر معلوم ہوتی ہے؟

فدیہ رمضان

ماہ رمضان میں جس طرح انسان روزہ رکھ کر روحانی قربانی کرتا ہے۔ فدیہ ہر شخص کو دینا ضروری ہوتا ہے۔ خواہ روزہ دار ہو یا روزے نہ رکھتا ہو۔ جو شخص روزہ دار ہو اور وہ فدیہ دے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اس شکریہ میں فدیہ دیتا ہے کہ خداوند کریم نے اسے روزے رکھنے کی توفیق دی ہے۔ اور آئیندہ بھی توفیق دے ورنہ اس کا فدیہ۔ سوائے اعمال پر اثر ہونیکے

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم کفار کے اعمال صالح کو صواب نہیں خیال کرتے اور ہمارا اعتقاد ہے کہ وہ اعمال سوائے جذب الی الایمان اور چنداں فائدہ اس کو قیامت میں نہیں دینگے*

اور بے روزہ دار کے لئے فدیہ روزہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ پھر اگر وہ جوان ہو تو فعدۃ من ایام اُخر کے تحت میں تندرستی میں رکھے۔ لیکن اگر واقعی معذور ہے جیسے بوڑھا تو پھر فدیہ ہی اُس سے کفایت کرے گا*

احکام رمضان

رمضان المبارک کے روزے ہر ایک تندرست مُسلم پر واجب ہیں۔ اور بغیر کسی وجہ کے ترک کرنے سے عذاب غلیظ کے مستحق ہونگے۔ اِلاّ جو شخص معذور ہو من کان مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اُخر۔ جس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان کو مالایطاق تکلیف میں نہیں ڈالنا چاہتا لا یکلف اللہ نفساً الّا وسعھا۔ اور دوسری جگہ فرمایا یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ اگر انسان روزہ میں کچھ بھول کر کھالے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ روزہ دار کو خدا کی طرف سے ضیافت ہوتی ہے۔ روزہ کی حالت میں انسان ہر ممنوع بات سے بچا رہے جیسے حدیث میں آنحضرت صلعم فرماتے ہیں اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سالہ احد او قاتلہ فلیقل انی امرؤ صائم۔ اور انسان کو چاہیئے کہ سحری تاخیر سے کھائے اور افطار جلدی کرے نبی کریم صلعم کی سُنّت یہی تھی۔ اور بلوغت کے متعلق پورا اندازہ نہیں لگ سکتا جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض انسان نہایت گرانڈیل ہو جاتے ہیں مگر تاہم روزہ کی مُدّت تک نہیں پہنچتے۔ اور اسکے مقابل میں بعض لوگ بیس پچیس سال تک پُہنچ جاتے ہیں مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے ان پر روزہ واجب نہیں ہوتا۔ پس صیام کا تعلق ہر ایک انسان کے اپنی ذات و ضمیر صحیحہ کے ساتھ ہے۔ ورنہ دوسرا آدمی اس کے حالات سے غیر واقف ہونے کی وجہ سے اُس پر فتوے جواز نہیں لگا سکتا*

اور انسان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ سحری بھی کھائے کیونکہ آنحضرت صلعم کی سُنّت مؤکدہ ہے بلکہ آنحضرت صلعم نے تو یہاں تک فرما دیا ہے فصل ما بین صیامنا و صیام اہل الکتاب اکلۃ السحر*

پس ہم سے ہر ایک کو جس کو روزہ رکھنے کی توفیق ہو کوشش کرنی چاہیئے کہ خداوند تعالیٰ کے اس فرمان

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کی ادائیگی میں پورے نکلیں۔ روزہ کے اسقدر فوائد ہیں کہ انسانی حد بیان سے باہر ہیں خواہ فوائد دینی ہوں یا دنیاوی کیونکہ جب انسان روزہ رکھتا ہے تو علاوہ ثواب دارین کے دنیاوی طور پر بھی بہت فائدہ ہوتا ہے ڈاکٹروں نے اس کو بہت سی امراض کا علاج قرار دیا ہے۔ مثلاً انسان کا فربہ ہونا۔ یہ مرض ذیابیطس وغیرہ کے لئے بھی از حد مفید ہے۔ اور علاوہ ازیں انسان کو ان دنوں میں نفس امّارہ کے شر سے مقابلہ کرنیکی طاقت ہو جاتی ہے اور گندہ اور مضر خون بھی اس روزہ وغیرہ کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے اور اچھے خون سے بدل جاتا ہے۔

یہ تو ہوا جسمانی فائدہ۔ اب روحانی فائدہ بھی سُنیں کہ حدیث میں آیا ہے للصائم فرحتان فرحة عند فطرہ وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فم الصائم اطیب عند الله من ریح المسک والصیام جنة ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔ والسلام — عبد القادر مولوی فاضل جامعہ

کیا ران ستر میں داخل ہے؟

مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبة صـ۲۶۱ میں ہے الفخذ عورة یعنی ران پردہ ہے یعنی اسکو ڈھکنا چاہیئے نیل الاوطار جلد اوّل باب بیان العورة وحدھا میں مسند حارث بن ابی اسامہ کے حوالہ سے ابی سعیدؓ سے مرفوع روایت ہے عورة الرجل ما بین سرته الی رکبته یعنی ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ستر ہے۔ منتخب کنز العمال میں ہے ما بین السرة والرکبة عورة (ک) عن عبد الله بن جعفر ما فوق الرکبتین من العورة وما اسفل السرة من العورة (قط حق) عن ابی ایوب۔ الفخذ عورة (ت) عن جرھد وعن ابن عباس (منتخب کنز العمال جلد ۳ صـ۱۳۹-۱۴۰) یعنی عبد اللہ بن جعفر سے مرفوع روایت ہے کہ ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ستر ہے۔ اور ابی ایوبؓ سے مرفوع روایت ہے جو گھٹنوں کے اوپر ہے ستر ہے اور جو ناف کے نیچے ہے وہ بھی ستر سے ہے اور جرہدؓ اور ابن عباسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ ران ستر ہے۔

حدیث الفخذ عورة منتخب کنز العمال میں صرف ترمذی سے ذکر کی ہے۔ لیکن مشکوٰۃ میں ابوداؤد کا ذکر بھی ہے۔ اور منتقیٰ میں موطا اور مسند احمد کا بھی ذکر ہے۔

نیز بخاری صـ۵۳ میں ہے ویروی عن ابن عباس وجرھد ومحمد بن جحش عن النبی صلی الله علیه وسلم الفخذ عورة یعنی ابن عباسؓ جرہدؓ اور محمد بن جحشؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ران ستر ہے۔ منتخب کنز العمال میں ہے عن ابی العلاء مولی الاسلمیة قال

Digitized by Khilafat Library Rabwah

رأيت عليا يتزر فوق السرة (ابن سعد رحق) (منتخب كنز العمال جلد ۳ ص۱۲۱) یعنی حضرت علیؓ ناف کے اوپر تہ بند باندھتے۔

مشکوٰۃ میں ہے عن عائشۃ رضؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مضطجعا فی بیتہ کاشفا عن فخذیہ او ساقیہ فاستاذن ابو بکر فاذن لہ وھو علی تلک الحال فتحدث ثم استاذن عمر فاذن لہ وھو کذلک فتحدث ثم استاذن عثمان فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسوی ثیابہ فلما خرج قالت عائشۃ رضؓ دخل ابو بکر فلم تھتش لہ ولم تبالہ ثم دخل عمر فلم تھتش لہ ولم تبالہ ثم دخل عثمان فجلست وسویت ثیابک فقال الا استحیی من رجل یستحیی منہ الملائکۃ وفی روایۃ قال ان عثمان رجل حیی وانی خشیت ان اذنت لہ علی تلک الحالۃ ان لا یبلغ فی حاجتہ رواہ مسلم۔

عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رانوں سے یا پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا کر لیٹے ہوئے تھے۔ اس حال میں ابو بکرؓ داخل ہوئے اور باتیں کیں۔ پھر اسی حال میں عمرؓ داخل ہوئے انہوں نے بھی باتیں کیں۔ پھر عثمانؓ داخل ہوئے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے ٹھیک کر لئے۔ عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ ابو بکرؓ داخل ہوئے پھر عمرؓ داخل ہوئے۔ ان کے لئے آپ نہیں ہلے نہ ان کی پروا کی (یعنی نہ ان کے لئے کپڑے ٹھیک کئے) پھر عثمانؓ داخل ہوئے تو آپ بیٹھ گئے اور کپڑے ٹھیک کر لئے۔ فرمایا کیا میں اس شخص سے شرم نہ کروں جس سے فرشتے شرم کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا عثمان بہت شرم والا آدمی ہے۔ میں ڈر گیا کہ اگر اسی حال میں اس کو اذن دوں تو وہ اپنی ضرورت کو نہ پہنچے۔

فتح الباری میں مسلم کی یہ حدیث ذکر کر کے لکھا ہے وھو عند احمد بلفظ کاشفا عن فخذیہ من غیر تردد ولہ من حدیث حفصۃ مثلہ واخرجہ الطحاوی والبیہقی من طریق ابن جریج قال اخبرنی ابو خالد عن عبد اللہ ابن سعید المدنی وحدثتنی حفصۃ بنت عمر قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عندی یوما وقد وضع ثوبہ بین فخذیہ فدخل الحدیث (فتح الباری جز ۲ ص ۲۳۸)

یعنی مسلم والی روایت مسند امام احمد میں بھی یہی ہے اس میں بغیر شک کے صرف رانوں سے کپڑا ہٹانے کا ذکر ہے پنڈلیوں کا ذکر نہیں اور مسند امام احمد میں حفصہؓ کے واسطے سے بھی یہ روایت ذکر کی ہے اور حفصہؓ

Digitized by Khilafat Library Rabwah

کے واسطے سے امام طحاوی اور امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ لفظ ہے کہ حفصہؓ کہتی ہیں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے اور تہ بند اکٹھا کر کے رانوں کے درمیان رکھا ہوا تھا اس حال میں ابوبکرؓ داخل ہوئے۔ الخ

بخاری صفحہ ۵۳ میں ہے قال انس حسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن فخذہ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران ننگی کی۔

آگے انسؓ کی لمبی روایت ذکر کی ہے۔ اسمیں یہ لفظ ہے حسر الازار عن فخذہ حتی انظر الی بیاض فخذ نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (بخاری صفحہ ۵۳) یعنی آپ نے ران سے کپڑا اٹھایا یہانتک کہ میں آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔

ان حدیثوں میں بظاہر مخالفت ہے بعض میں ہے کہ ران ستر ہے اور بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ران کے ننگے ہونے کی پرواہ نہیں کی۔ امام بخاری فرماتے ہیں حدیث انس اسند وحدیث جرھد احوط حتی نخرج من اختلافھم (بخاری صفحہ ۵۳) یعنی انس کی حدیث جس میں ران سے کپڑا اٹھانے کا ذکر ہے جرہد کی حدیث سے جس میں ران کو ستر کہا ہے سند کی رو سے قوی ہے لیکن جرہد کی حدیث پر عمل کرنے سے احتیاط ہے تاکہ اختلاف میں نہ پڑیں۔

امام بخاری نے جو کچھ فرمایا ہے بالکل ٹھیک ہے بے شک عملاً احتیاط جرہد کی حدیث میں ہے۔ لیکن ان دونوں حدیثوں میں موافقت کرنا چاہیں تو موافقت بھی ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ گھٹنے کے قریب سے کھول لے تو کوئی حرج نہیں شرمگاہ کے زیادہ قریب سے نہ کھولے۔ کسانوں کو بھی اس سے زیادہ اجازت نہیں۔ ہاں نماز میں ناف سے گھٹنوں تک ڈھکنا ضروری ہے بلکہ کندھے ڈھکنے بھی ضروری ہیں۔

عن جابرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا کان الثوب واسعا فالتحف بہ یعنی فی الصلوٰۃ ولمسلم فخالف بین طرفیہ وان کان ضیقا فاتزر بہ متفق علیہ (بلوغ المرام باب شروط الصلوٰۃ)

جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کپڑا بڑا ہو تو نماز میں لحاف کی طرح اوڑھ لے۔ اور مسلم کی روایت میں (اس اوڑھنے کی بابت) فرمایا ہے کہ کپڑے کی دائیں طرف بائیں کندھے پر کرے اور بائیں طرف دائیں پر۔ اگر کپڑا تنگ ہو تو تہ بند باندھ لے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کم سے کم تہ بند ضروری ہے اور تہ بند وہی ہوتا ہے جس سے کم سے کم گھٹنے ڈھکے جائیں۔ اگر گنجائش ہو تو کندھوں پر کپڑا ہو بھی ضروری ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ دائیں طرف بائیں کندھے پر کرے اور بائیں طرف دائیں پر سے مقصود یہی ہے کہ کندھوں کے اوپر بھی کپڑا آجائے۔ (تنظیم اہلحدیث روپڑ)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

تبلیغی ٹریکٹ

چندکارآمد حوالے نمبر ۱ و ۲	۱/
بانی آریہ سماج کے اقوال میں تناقض	۰/
اسلام کی اندرونی تصویر	۰/
آریہ سماج اور گاندھی جی	۰/
رسالہ تائید اسلام کے اعتراضات کا جواب	۰۱/
کفارہ	۱/
بُطلان مسئلہ قدامت رُوح و مادہ	۱/
اسلامی قادر مطلق خدا اور آرین سرو شکتیمان } نہایت مدلّل	۴/
افادات الفریدی - خلفاء حضرت بادا فریدؒ کی کتابوں سے تصدیق سلسلۂ احمدیہ	۱/
شیعہ سوراج اور اس کے واقعات	۱/
اسلامی عبادات کی حکمت - نماز روزہ حج کی حکمتیں	۱/
احمدی غیر احمدی میں فرق - نوشتہ حضرت خلیفۂ ثانی	۰/
آسمانی گلہ - حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کا جواب	۱/
ابطال الباطل (ردّ شیعہ)	۲/

تبلیغی رسالے

براہین العقائد - سات اصول اسلام پر دلائل قرآنی	۸/
معارف القرآن - گیارہ پاروں کا درس	۸/
تصوّف - وہ مضمون جو علامہ حافظ روشن علی صاحب نے ڈیمبلی کانفرس میں پڑھا	۶/
مقصد مذہب - مذہبی کانفرس لاہور میں پڑھا گیا	۳/
الاستخلاف - ردّ شیعہ از آیات قرآنی -	۰۴/
مجمع البحرین - حقیقی اسلام پر ڈیمبلی کانفرس میں مضمون	۳/
کملات احمدیہ - نوشتہ مولانا شمس بجواب مولوی ثناء اللہ امرتسری	۶/
التشریح الصحیح - حدیث نزول مسیح کی پوری تشریح	۶/

نقشہ اُجرت اشتہارات

ریویو آف ریلیجنز } کئی لاکھ کی احمدی جماعت کا واحد ماہوار رسالہ ہے اور اس کو نہایت ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے۔ اور اس کے فائل مجلد محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اشتہار دینے والوں کیلئے بہترین موقع ہے۔ ضمیمہ ۲ صفحے ۱۲ ارسینکڑہ کے حساب سے تقسیم ہوگا۔ اور اُجرت حسب ذیل ہے:۔

	ایک صفحہ		نصف صفحہ	
سالانہ		۴۰ روپے		۲۲ روپے
چھ ماہ	〃	۲۳ روپے	〃	۱۲ روپے
تین ماہ	〃	۱۲ روپے	〃	۷ روپے

فی اشاعت ایک صفحہ ۴½ روپے ۔ نصف ۲½ روپے ۔ فی سطر ۴

(مینیجر ریویو اُردو۔ قادیان)

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ریویو آف ریلیجنز اردو - قادیان دارالامان - ۵ جنوری سنہ ۱۹۳۳ء - رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

منعقدہ
استار
ٹریڈ مارک
رجسٹرڈ

ڈی - ایس ڈاکٹر - ایس - کے - برمن لیمیٹڈ

بانی

ڈاکٹر - ایس - کے - برمن

کلکتہ

سنہ ۱۸۸۴ء

پچاس برس سے مشہور و معروف دیسی پیٹنٹ دواؤں کا ہندوستانی وسیع کارخانہ

نئے سال کا نیا تحفہ

ڈابر جنتری سنہ ۱۹۳۳ء

سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی عمدہ سفید چکنے کاغذ پر نستعلیق لکھی ہوئی خوبصورت جنتری ہوئی ہے۔ اسمیں بہت سی مفید اور آمد باتیں درج ہیں۔ معہ زقدردان مفت طلب فرمائیں ✦

کولاریا REGD. (کولاٹانک)

یہ دل و دماغ اور جگر کو طاقت پہنچانے میں بے مثل ہے۔ اِس کے استعمال سے دل کی دھڑکن۔ کلیجہ کی کمزوری۔ تھوڑی محنت سے سانس کا پھولنا دُور ہو جاتا ہے۔ اور سخت محنت کرنے پر بھی تکان نہیں ہوتی ہے۔ اِس سے شراب و افیون وغیرہ کی بدعلّتیں ترک ہو جاتی ہیں۔ گلے کی آواز سُریلی ہوتی ہے۔ لیکچرار معلم۔ متعلم اور گانے والوں کو ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ دو آنہ عہ۲ محصول سات آنہ ۷ر قیمت نمونہ ساڑھے چار آنہ جو صرف ایجنٹوں سے ہی مل سکتا ہے ✦

نوٹ:۔ ہماری دوائیں ہر جگہ دوا فروشوں اور دوکانداروں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ محصول بہت بڑھ گیا ہے اس لئے اِس سے بچنے کے لئے مقامی ہمارے ایجنٹ سے خریدیں ✦

صیغہ نمبر ۱۱۷ پوسٹ بکس نمبر ۵۵۴ کلکتہ

ایجنٹ:۔ قادیان میں ایجنٹ کی ضرورت ہے۔

بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام سٹیم پریس قادیان میں چھاپکر مالکان کیلئے قادیان سے شائع کیا